

خطِ زندگی سے نیچے

پاکستان میں اقلیتی خواتین سے متعلق ایک مطالعہ

جنیفر ججیون
پٹری جیکب

یہ اشاعت مدد و سرکلیشن کے لئے ہے

جملہ حقوق حفظ ہیں

اس کتاب کے مندرجات قومی کمیشن برائے امن و انصاف کا حوالہ دے کر شائع کئے جاسکتے ہیں

پندرہ

سانجھ پبلیکیشنز، لاہور

ڈائرکٹ اینڈ لے آؤٹ

وثرزین، لاہور

تعداد

1000

تاریخ اشاعت

فروری 2012



ہدیہ آفس

ای-64/اے، سطریٹ نمبر 8، آفیس کالونی، والٹن روڈ، لاہور

فون: 92-42-36668692

فیکس: 92-42-36655549

ای میل: ncjppakistan@gmail.com

ویب سائٹ: www.ncjppk.org

وضاحت:

یہ اشاعت یو این ویمن کی مالی امداد سے تیار ہوئی۔ اس کی سفارشات اور تجزیہ خواتین کے استحکام اور صنفی مساوات پر اقوام متحده کے ادارہ یا اس کے ایگزیکٹو بورڈ کے نقطہ نظر سے مختلف ہو سکتا ہے۔

فہرست

06	دیباچہ: دہرے جبرا فصلہ
08	پاکستان کے اعداد و شمار
09	1- خلاصہ
11	اقلیتی خواتین ملکی سیاق و سبق میں	2
12	حکمرانی اور پالیسی	2.1
14	سامجی و معاشری	2.2
16	متعلقہ مطالعہ جات	3
16	بین الاقوامی قانون اور اقلیتیں	3.1
17	پاکستان میں اقلیتیں	3.2
21	مزہی اقلیتوں کے اعداد و شمار	3.3
23	اقلیتی خواتین: سروے	4
24	سروے کا طریقہ کار اور وسعت	4.1
26	جواب دہنده خواتین کے بارے عمومی معلومات	4.2
27	سروے کے کلیدی نتائج	4.3
31	سروے کے تفصیلی نتائج	4.4
31	صحت	4.4-1
34	پانی	4.4-2
35	سامجی و معاشری صورت حال	4.4-3
39	تعلیم	4.4-4
40	خود مختاری	4.4-5
42	سیاسی شرکت	4.4-6
44	تعصب	4.4-7
48	تلائی کی صورتیں	4.4-8
49	قانونی مسائل اور قانون پر عمل درآمد	4.4-9
50	مستقبل پر نظر	4.4-10

55	اقلیتی خواتین اور قوانین پاکستان	5
55	دستور پاکستان	5.1
56	فوجداری انصاف	5.2
57	تکفیر کے قوانین	5.3
60	عائی قوانین	5.4
61	اطلاقی مذہبی امتیاز	5.5
63	عقدہ ثانی (دوسرانکاح)	5.6
63	قانون و راثت	5.7
64	مذہب کالازی اندر اج	5.8
65	میرے خیال میں (انٹرویو)	6
69	حاصل بحث	7
71	سفرارشات	8
74	ضمیمه جات	
74	اقلیت سے کیا مراد ہے؟	
76	CEDAW پر اک نظر	
78	سوال نامہ	
89	اجازت مل سکے گی؟ نزارتی فیقی قبانی کی عربی نظم کا تحلیقی ترجمہ: حارث خلیق	

تشکر

زیر نظر تحقیقی مطالعہ کی ٹیم اور بالخصوص اس سرگرمی کی انچارج صوبیہ جان اور نعمانہ سلیمان کی کاوش لائق تحسین ہے جو قومی کمیشن برائے امن و انصاف کے ایگزیکٹو ڈائریکٹر پیٹر جیکب کی زیرگرانی مکمل ہوئی۔ صوبیہ اور نعمانہ نے سروے کے نتائج خواتین، اعداد و شمار کے ایڈیٹر، اشاعتی ٹیم اور کنسلنٹنٹس کے ساتھ مل کر اس دستاویز کو تیار کرنے میں نہایت جانشناختی سے کام کیا۔

یو این ویمن (UN Women) کی ڈائریکٹر ڈائریکٹر ایلیس ہارڈنگ شیکل فورڈ، اور انگلی ساتھی مس عائشہ خفار اور مس مریم فرید نے اس مطالعہ کی اہمیت کا احساس کرتے ہوئے ہماری تکنیکی و فکری رہنمائی کی۔ یو این ویمن کی حوصلہ افزائی اور مالی معاونت کے بغیر اس سرگرمی کا انعقاد ممکن نہیں تھا۔ ہم اُن کے نہایت ممنون ہیں۔ محترمہ نازش بروہی کی ادارتی مہارت نے اس روپورٹ (انگلش) کو ترتیب اور روانی دی ہے جس کے لئے ہم اُن کے شکر گذار ہیں۔

تھر پاک اور عمر کوت (سنده) میں سروے کے انعقاد میں معاونت کے لئے ہم تنظیم سپارک (SPARK) کے تہذیب دل سے ممنون ہیں۔ قومی کمیشن برائے امن و انصاف کی شاف صالحہ ڈیم نے اس پراجیکٹ میں مختلف سرگرمیوں میں مدد کی جبکہ محترم کرسٹوفر اعجاز، محترم بہرام فرانس خان، محترمہ روز میری پال، محترم سینیل، محترمہ کرن افضل اور محترم کامران رحمت نے ڈیبا فیڈنگ میں مدد دی۔ اردو اشاعت عطا الرحمن سمن کے ترجمہ سے ممکن ہوئی۔

سروے روپورٹ میں موجود تصاویر فراہم کرنے کے لئے ہم محترمہ رشیدہ رشید، محترم عطا الرحمن سمن، مسز بینی قیصر بالخصوص سروق کی تصاویر کے لئے مس صوبیہ جان اور محترمہ جاوید ڈیوڈ کے ممنون ہیں۔ پنجاب اور سنده میں اس سروے کے انعقاد کے لئے 25 خواتین منتخب کی گئیں جس کے لئے انہیں باقائدہ تربیت دی گئی۔ تربیتی ورکشاپ میں ان خواتین کا جوش و جذبہ دیدی تھا۔ ہم اُن کے ممنون ہیں جن کی کاوش اور جذبہ کے باعث سروے پا یہ تکمیل ہوا۔

سنده میں رشیدہ رشید، سونی کچی، شازیہ، سکینہ، صاعقه بخش، آشا، ناہید، مریم، سمیرا، ونتا اور ماہما جبکہ پنجاب میں فوزیہ کنوں، عروج مریم، غزالہ، صفیرہ والٹر، فرحت، شاہین یوسف، نسیم صدیق، شنا مریم، شریارانی، ماگریٹ ڈیلیل، مسرا ختر اور شمینہ تھیں۔

یہ سروے روپورٹ اس موضوع پر پہلی کاوش ہے۔ ہم توقع کرتے ہیں کہ آنے والے وقت میں یہ مددی ایسے ہی مزید مطالعہ جات کے لئے باعث ترغیب ہوگی جن کے ذریعے پاکستان میں یعنی والی اقلیتی خواتین کو درپیش مسائل اور اُن کے مجوزہ حل کے بارے مزید کام سکے گا۔

جنیفر جیکب
جنیفر جیکب

دہرے جبر کا قصہ



1947ء میں برصغیر ہند کو آبادیاتی تسلط سے آزادی ملی تو کسی قوم کا سیاسی و آئینی دائرہ میں رہتے ہوئے پُر تشدد ذرائع کے استعمال کے بغیر حق خود رادیت حاصل کرنے کا یہ پہلا واقعہ تھا۔ یہ اقوام متحده کے اعلامیہ کی اہمیت اور افادیت کا واضح ثمر تھا جس میں خصوصی طور پر اس عزم کا اظہار کیا گیا تھا کہ انسانی آزادیوں کو دبا کر رکھنے کے باعث دنیا میں بہت خون بہہ چکا، چنانچہ نوآبادیاتی نظام کو ختم کر دیا جائے۔ تاہم ہندوستان کی آزادی کو اس لحاظ سے بھی اہمیت حاصل ہے کہ مسلم اقلیت نے ایک ملک میں رہنے سے انکار کر دیا تھا۔ انہیں آزاد ملک میں اپنے سیاسی، معاشری اور سماجی مفادات کے معاملے میں تخفیفات تھے۔ چنانچہ برطانوی ہندوستان کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ ہندوستان کی تقسیم درحقیقت اقلیتوں (مذہبی یا سماجی سے قطع نظر) کے حقوق کی اہمیت کے پیش نظر تھی۔

ستم ظریفی تو یہ ہے کہ اقلیتوں کے حقوق کے نام پر قائم ہونے والے ملک میں اقلیتوں کے ساتھ مسلسل توہین آمیز برداشت کیا جاتا رہا ہے۔ ہندوستان اور پاکستان کی سرحدوں کے آر پار مختلف مذاہب کی برادریوں کی ہونے والی نقل مکانی برصغیر ہند کی تقسیم کے منصوبہ کا حصہ نہیں تھی۔ اتنے بڑے پیمانے پر نقل مکانی کے باعث نئی قائم ہونے والی ریاست پاکستان میں مذہبی اقلیتوں کی شرح نہایت کم ہو گئی۔ پاکستان کے قیام کے پہلے 24 سال کے بعد مذہبی اقلیتوں کی شرح محض 10% تھی جبکہ مشرقی پاکستان کے بغلہ دلیش کی صورت اختیار کرنے کے بعد باقی ماندہ پاکستان میں مذہبی اقلیتیں پاکستان کی کل آبادی کا 4% سے بھی کم رہ گئیں۔ اس قدر کم تعداد میں ہونے کے باعث مذہبی اقلیتوں کا مسلم اکثریت کے سیاسی، معاشری یا سماجی مفادات کے لئے کسی خطرہ کا باعث بننا خارج از امکان تھا۔ تاریخی تناظر کا تقاضا تو یہ تھا کہ پاکستان میں مذہبی اقلیتوں کی کم ترین تعداد کے باوجود ان کے ساتھ ایسا برداشت کیا جاتا کہ اس ریاست کے قیام کے بارے ظاہر کئے جانے والے خدشات باطل ثابت ہوتے لیکن ایسا ہوا نہیں۔

ایک خود مختاری ریاست کے طور پر پاکستان کے قیام کو ابھی 18 ماہ ہی گزرے تھے کہ آئین ساز اسمبلی نے قرارداد مقاصد منظور کی جس کے باعث عدی بنا پر برتری کے باعث اکثریتی برادری کو آئینی، قانونی، سیاسی اور سماجی اعتبار سے برتر حیثیت دے دی گئی۔ اس سے قطع نظر کہ ایک قومی ریاست کو مذہبی شناخت دی گئی قراردار میں مساوی شہریت کے اصول سے صریحاً انحراف کیا گیا۔ اس قرارداد کے متن میں مذہبی اقلیتوں کو دی گئی نام نہاد خانستیں آنے والے سالوں میں بذریعہ تحلیل ہو گئیں۔ اس دستاویز کے مابعد مخفی اثرات 1985ء میں اس وقت ظاہر ہوئے جب ایک آئینہ ترمیم کے ذریعے قانونی طور پر مذہبی اقلیتوں کو اپنے عقائد کی آزادی انتہا رکھنے سے محروم کر دیا گیا اور اس ترمیم کے ذریعے قرارداد مقاصد کو آئین کا باقاعدہ حصہ بنادیا گیا جبکہ قبل ازیں یہ آئین کے دیباچہ میں شامل تھی۔ اقلیتوں کے اپنے مذہب پر آزادانہ عمل پیرا ہونے کے حق کو بعد صدی بعد 2010ء میں ایک اور ترمیم کے ذریعے بحال کیا گیا۔

مساوی شہریت کے اصول سے انحراف کا منطقی نتیجہ زندگی کے ہر پہلو میں تعصب اور امتیاز کی صورت میں کلا اکثریتی مذہب کی مذہبی قیادت نے قومی ایجنسڈہ طے کرنے پر اجارہ داری قائم کرتے ہوئے دیگر کے لئے سیاسی عمل اور فیصلہ سازی میں شمولیت کے لئے حد گاہی۔ سیاسی دھارے سے نکال باہر کرنے کے باعث معاشری مذہبی

اقلیتوں کی پست حالی کی راہ ہموار ہوئی۔ نام نہاد سیکولر اور نام نہاد نظریاتی عناصر کے درمیان سیاسی قوت کے حصول کے لئے بڑے پیمانے پر ہونے والی کشمکش میں مذہبی اقلیتوں کو غلط وقت اور غلط جگہ پر پیدا ہونے کے گناہ کی سزا ملی۔ اکثریت برادری میں مختلف سیاسی نظریات رکھنے والے گروہوں نے عوامی مقبولیت کے حصول کے لئے ایک دوسرے سے بڑھ کر مذہبی اقلیتوں کے مفادات کو نقصان پہنچایا۔ معاشرے میں نہایاں معاشرتی تعصب و امتیاز کے باعث مذہبی اقلیتوں کے لئے سیاسی تہائی اور معاشری محرومی کے علاوہ کوئی دیگر صورت نہیں تھی۔ یکساں قومی شناخت کے نام پر تنوع کی ساری صورتوں کو منسخ کر دیا گیا جس کا سب سے بڑا شکار مذہبی اقلیتیں بنیں۔

جدید ریاست کی جھلک رکھنے والے 1973ء کے آئین کے اندر متعدد دفعات میں مذہبی اقلیتوں کے ساتھ صاف طور پر امتیاز برداشتیا جس کے باعث مذہبی اقلیتوں کے ساتھ امتیاز کو قانونی راستہ مل گیا۔ ریاست نے جب اپنا راستہ مطلق العنانیت، قدامت پسندی بنیاد پرستی اور مذہبی تشدد کی جانب موڑ لیا تو مذہبی اقلیتوں کا وجود اس کے لئے غیر اہم ہوتا چلا گیا۔

کاتھولک بیشپس کانفرنس پاکستان کے ادارے قومی کمیشن برائے امن و انصاف 1985ء سے اپنی پیشہ وارانہ مہارتتوں کے ساتھ انصاف کے لئے جدوجہد میں مصروف عمل ہے۔ زیرِ نظر سروے ایک ایسا مطالعہ ہے جو مذہبی اقلیتوں کی خواتین کی صورت حال پر ایک مدل بیان ہے۔ سروے کے اعداد و شمار سے واضح ہوتا ہے کہ مذہبی اقلیتوں کی خواتین پست حال اور کمزور طبقہ ہونے کے علاوہ دہرے تعصب کا شکار ہیں۔ انہیں مذہبی اقلیتی ہونے کے علاوہ صنفی امتیاز کے اضافی امتیاز کا بوجھ بھی اٹھانا پڑتا ہے۔ سروے میں ایک سوال یہ ہے کہ کیا جواب دہنده خواتین کو اپنے خاندانوں میں فیصلہ سازی میں شریک کیا جاتا ہے۔ ایک بڑی اکثریت نے اپنے خاندان میں فیصلہ سازی میں شریک کئے جانے کا اثبات میں جواب دیا جو اکثریتی برادری کی خواتین کے مقابلہ میں اچھی خاصی بڑی شرح ہے۔ تاہم اس جواب کی حقیقت اس وقت کھلتی ہے جب اتنی ہی شرح سے خواتین یہ جواب دیتی ہیں کہ اپنی زندگی کا ساتھی چننے میں ان کی رائے کا کوئی عمل دخل نہیں۔ تجھ بہے کہ زندگی کے اہم ترین معاملہ میں ان کی رائے نہیں لی جاتی تو وہ کوئی فیصلہ سازی ہے جس میں انہیں شریک کیا جاتا ہے۔

پاکستان میں مذہبی اقلیتوں کے ساتھ امتیاز کی قائم شدہ فضا اور ماحول کی ہر صورت نہ ملت اور مدافعت کی جانی چاہیے۔ اکثریتی برادری کو اس سلسلے میں ایک بامعنی اور با مقصد عمل کا آغاز کرنا ہوگا۔ مساوی حیثیت اور انصاف کی جدوجہد ایک محض مشترکہ مسئلہ نہیں بلکہ معاشرے کے ہر فرد کے بنیادی احترام اور وقار کا معاملہ ہے۔

تویر جہاں
ا یک یا ٹھوڑا تر یکٹر
ڈیوکر یک کمیشن برائے انسانی ترقی

پاکستان کے بارے کچھ اعداد و شمار

جو لوگی 2009ء کے آخر تک 16.69 کروڑ - 2010 میں 173.51 ملین۔ دنیا کا چھٹا نجات آباد ملک۔ 30 سال سے کم عمر کے افراد کی تعداد 10.4 کروڑ۔ (اکنا مک سروے رپورٹ 10-2009ء)	آبادی	1
2.1% : (اکنا مک سروے رپورٹ 9-2009ء - 10-2010ء)	آبادی میں اضافی کی اوضاع شرح	2
کل آبادی: 65.5 سال، متوسط: 63.6 سال، عورت: 65.6 سال (اکنا مک سروے رپورٹ 10-2010ء - 9-2009ء کے مطابق یہ تعداد 87 فی ایک ہزار ہے۔ http://data.worldbank.org/SH.DYN.MORT/countries/PK-8S-XN	عمر کی حد	3
65.1 اموات فی 1000 (نومولوڈ پوپول پر) (اکنا مک سروے رپورٹ 10-2010ء - 9-2009ء)، ولڈ جنک کی رپورٹ 2009ء کے مطابق یہ جنوبی ایشیا میں سب سے زیادہ۔ کل آبادی کا 36% (2008ء)، شہر کاری کی شرح 3% (2010ء - 2005ء) شہری آبادی کل آبادی کا 50% ہو سکتی ہے۔ (اکنا مک سروے رپورٹ 9-2009ء - 10-2010ء)	شیرخوار بچوں کی شرح اموات فی 1000 (2009ء)	4
192.2 اموات فی 1000 اطفال (اکنا مک سروے رپورٹ 9-2009ء - 10-2010ء)	5 سال سے کم عمر کے بچوں کی شرح اموات (فی 1000)	5
جنوبی ایشیا میں سب سے زیادہ۔ کل آبادی کا 36% (2008ء)، شہر کاری کی شرح 3% (2010ء - 2005ء) شہری آبادی کل آبادی کا 50% ہو سکتی ہے۔ (اکنا مک سروے رپورٹ 9-2009ء - 10-2010ء)	شہروں میں نقش مکانی کا رمحان	6
4.1 (اکنا مک سروے رپورٹ 10-2009ء - 9-2010ء)	غربت کی لکیر سے بچے زندگی برقرار نے والے افراد (GDP) کی شرح	7
62 ملین افراد۔ (state of Human Rights 2009ء میں 62 ملین افراد۔)	غربت کی لکیر سے بچے زندگی برقرار نے والے افراد	8
13.3 فیصد (اپریل 2010ء میں) (state of Human Rights 2009ء)	مہنگائی کی شرح	9
بے روزگاری کی شرح 5.5 فیصد (اکنا مک سروے رپورٹ 10-2009ء صفحہ 246)	بے روزگاری	10
مزدوروں کی تعداد کے لحاظ سے دنیا کا 10واں بڑا ملک۔ کام کرنے والی افرادی قوت کی کل تعداد 12.10 کروڑ برس روزگار مزدوروں کی تعداد 5.37 کروڑ۔ بھارت پاکستان اکنا مک سروے میں لبری فرنس سروے 2008-2009ء	افرادی قوت	11
11.12 ملین بچے مزدوری کر رہے ہیں۔ (state of Human Rights 2009ء)	مزدور بچے	12
کل آبادی کا 57 فیصد (69 فیصد مرد اور 45 فیصد خواتین)۔ شہری علاقہ جات میں خواندگی کی شرح زیادہ ہے۔ بخوبی میں خواندگی کی شرح سب سے زیادہ ہے جس کے بعد سنده، خیرپختو نوجوان اور سب سے کم شرح خواندگی صوبہ بلوچستان کی ہے۔	خواندگی کی شرح (10 سال کی عمر سے زائد)	13
وقایتی اور صوبائی حکومتوں کا کل 2.0 فیصد (اکنا مک سروے رپورٹ 10-2009ء - 9-2010ء)	تعلیم کی مدینیت خرچ	14
0.54 فیصد (وقایتی و صوبائی حکومتوں کا مشتمل کر) (اکنا مک سروے رپورٹ 10-2009ء - 9-2010ء صفحہ 162)	صحت پر اخراجات	15

پاکستان اکنا مک سروے رپورٹ 2009-2010ء (www.finace.gov.pk/survey)

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق 2010ء (state of Human Rights 2009)

نوٹ۔ سروے کی دیگر جگہوں پر اعداد و شمار میں فرق ہو سکتا ہے جس کا سب اعداد و شمار کے مختلف ذرائع ہیں۔

خلاصہ

اس مطالعہ کا مقصد پاکستان میں اقلیتی خواتین کی صورت حال، ان کے سماجی سیاق و سباق سے واقفیت اور ان (اقلیتی خواتین) کے تجربات و خیالات کے بارے جامع آگئی حاصل کرنا ہے۔ چنانچہ موجود تحریری مواد کے علاوہ سروے کے ذریعے اقلیتوں کو درپیش صحت، پانی، حفظاںِ صحت اور صفائی، سماجی و معاشری صورت حال، تعلیم، خود اختیاری، سیاسی شراکت، امتیاز، جبری و بالاواسطہ تبدیلی مذہب، قانون میں نقصان پر عمل درآمد کے مسائل نیز ان کے حل کے تناظر میں معلومات اکٹھی کی گئی ہیں۔

علاوہ ازیں آبادی کے ایک فراموش کردہ طبقے کے طور پر اقلیتی خواتین کے مسائل کی جانب توجہ مبذول کروانا اور حاصل کردہ معلومات کے ذریعے ان کے تحفظ کے لئے عملی اور فکری سطح پر ان کے حقوق کی وکالت کرنا اس تحقیقی مطالعہ کے مقاصد میں تھا۔ اس مطالعہ کا ذیلی مقصد تحقیق سے اخذ کردہ نتائج کو این جی او ز (NGOs) کی تیار کردہ شیڈور پورٹ (Shadow report) میں شامل کرنا بھی تھا۔

رپورٹ کے نتائج واضح کرتے ہیں کہ اقلیتی خواتین دہرے جر کا شکار ہیں۔ ایک طرف اقلیتی برادری کی فرد ہونے کے باعث امتیازات اور ظلم کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو دوسری طرف معاشرے کے کمزور طبقہ کی صورت عورت ہونے کے باعث بھی وہ جر کی چکلی پستی ہیں۔

اقلیتی خواتین کے بارے دستاویزی اور مصدقہ معلومات کی عدم موجودگی ایک بڑی رکاوٹ تھی۔ تاہم اس مطالعہ میں پنجاب اور سندھ (جہاں 96٪ اقلیتیں آباد ہیں) کی 1000 خواتین کا تفصیل سے سروے کیا گیا۔ سروے کے نتائج صنف، مذہب اور غربت سے جڑے ہوئے تجربات کی مختلف جہتوں کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔

قابل غور امر یہ ہے کہ خواتین کی ایک خاطرخواہ تعداد (30٪ سے زائد) نے ایسے سوالوں کے جوابات دینے سے گریز کیا جن کے ذریعے انہیں درپیش مصائب و تکالیف کی وضاحت ہوتی۔ اس خاموشی کا سبب معلومات کے افشا ہونے اور اُس کے نتائج و انجام کا خوف ہی ہو سکتا ہے جو بذات خود اقلیتی خواتین کی درگرگوں صورت حال پر ایک تبصرہ ہے۔

سروے سے اخذ کی گئی معلومات کے مطابق 43٪ جواب دہنده خواتین نے براہ راست یا ان کے خاندان کے کسی فرد نے مذہب کی بنیاد پر تعصب کا سامنا کیا تھا۔ سب سے زیادہ تعصب (40٪) ملازمت / کاروبار کی جگہ پر دیکھا گیا، تعلیمی اداروں میں 24٪ جبکہ اور آبادی میں اس کی شرح 18٪ تھی۔

62٪ جواب دہنده خواتین محسوس کرتی ہیں کہ مذہبی تنازعہ یا تنازعہ کی صورت انہیں اکثریتی برادری کی حمایت حاصل نہیں ہو گی تاہم 27٪ کے خیال میں انہیں اکثریتی برادری کی حمایت حاصل ہو گی۔ 14٪ جواب دہنده خواتین کو اقلیتی خواتین کے اغوا کے واقعات کا ذاتی طور پر علم تھا جبکہ 8٪ خواتین کو اقلیتی عورتوں کے جبری تبدیلی مذہب کے واقعات کے بارے معلوم تھا۔ 3٪ خواتین کو اقلیتی خواتین کی تجارت کے بارے واقعات کا علم تھا۔

صنف کی بنیاد پر ترقی کے اشارے کے مطابق خواتین کی مجموعی آبادی کی نسبت اقلیتی خواتین قدرے بہتر ہیں تاہم خود مختاری کے لحاظ سے انہیں بھی اکثریتی برادری کی خواتین جیسے مسائل کا ہی سامنا ہے۔ 66% اقلیتی خواتین کے ساتھ ان کے بھائیوں کے مساوی سلوک کیا گیا تھا۔ تعلیم کے حصول کے سلسلے میں 58% اقلیتی خواتین کی حوصلہ افزائی کی گئی، 73% خواتین کے خاندانوں کی طرف سے ملازمت کرنے کی حوصلہ افزائی کی۔ 66% جواب دہنہ خواتین کو خاندان میں فیصلہ سازی میں شریک کیا گیا۔ تاہم ایک بڑی تعداد (66%) کے مطابق انہیں نکاح کے معاملہ میں شریک حیات کے انتخاب کا حق نہیں دیا گیا تھا/ایا نہیں دیا جائے گا۔ نصف سے زائد خواتین کو قل و حرکت کے سلسلے میں خاندان کی طرف سے پابندی کا سامنا تھا۔ 79% خواتین کے پاس کمپیوٹر اور ڈیکٹیو می خانختی کا رہ تھا جبکہ 65% خواتین نے ووٹ ڈالنے کے حق کا استعمال کیا تھا۔ ایک قلیل تعداد (5%) سیاسی جماعتوں کی رکن تھی جن میں سے 2% نمائندہ تھیں۔

20% جواب دہنہ خواتین سرکاری طور پر کم سے کم مقرر کردہ تنخواہ 7000 روپے ماہانہ سے کم کمارہ ہیں۔ 29% خواتین کی ماہانہ آمدن 25000 روپے سے کم ہے، تین چوتھائی جواب دہنہ خواتین کچھ بچانے کی سکت نہیں رکھتی ہیں جبکہ 40% مقرض ہیں۔

شہر میں رہائش پذیر خواتین میں سے بھی صرف 65% خواتین پختہ گھروں میں رہائش پذیر ہیں، 12% خواتین کے گھر نیم پختہ جبکہ 15% خواتین کچے گھروں میں رہائش پذیر ہیں۔ 62% خواتین ایک یادوگروں پر مشتمل گھروں میں مقیم ہیں جبکہ 60% جواب دہنہ خواتین کے افراد خانہ کی تعداد 5 سے 10 کے درمیان تھی۔

67% خواتین کے ہاں فلاں سسٹم لیٹرین تھی۔ 21% کے ہاں ڈھنکنے والی لیٹرین کا استعمال کیا جا رہا تھا جبکہ 11% کے ہاں یہ سہولت موجود نہیں تھی۔

زیر نظر مطالعہ میں اسی موضوع پر دیگر مطالعہ جات اور تحقیق پر مبنی مواد نیز خواتین اور پالیسیوں کا جائزہ لیا گیا ہے نیز عصر حاضر میں غیر منطقی روایات کو موضوع بحث بنا یا گیا ہے۔ تعصب اور امتیاز کی نشان دہی کر کے اُس کے مابعد اثرات پر بحث کی گئی ہے۔ رپورٹ میں اقلیتی خواتین کو قومی دھارے میں شامل کرنے اور ان کے حقوق کے تحفظ کے لئے پالیسی کی سسٹھ پر تبدیلی کے لئے عملی تجدیدی گئی ہیں۔

اقلیتی خواتین، ملکی سیاق و سباق میں

پاکستان میں قومی اور بین الاقوامی سطح پر قوع پذیر ہونے والی تبدیلوں کی اثر پذیری کی رفتار گوست رہی ہے تو بھی خاندان، برادری، معاشرے اور ریاست میں عورت کی کمتر حیثیت کو چلنج کرنے اور عورت کا اپنی شناخت کے مسئلہ پر زیادہ آگاہ ہونا متذکرہ تبدیلی کا ہی ثمر ہے۔ دوسری طرف اقیتی خواتین کی تشویش ناک صورت حال برقرار ہے۔ گمان ہوتا ہے کہ قانون ساز اداروں، نظام انصاف، اور عمل درآمد کرنے والے اداروں کے نزد یہکتا حال اقیتی خواتین کا کوئی وجود ہی نہیں ہے۔

اگر ایک بہتر معاشرے کی تشکیل کے لئے صنفی مساوات، خواتین کی آزادی اور انہیں با اختیار بنانا ایک اصول اور طریق کارہے تو اقیتی خواتین کو مساوی اور جائز حیثیت دینے اور انہیں انسان تسلیم کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

پاکستان میں مذہبی اقیتی خواتین کی تعداد ایک عام اندازے کے مطابق 30 لاکھ ہے۔ اس کے باوجود 2011ء میں اعلیٰ عدیہ، سول سرو ہزار فارن سرو ہزار جیسے اداروں میں وہ دکھائی نہیں دیتیں۔ سینٹ، قومی اسمبلی اور بخارب کی اسمبلی میں ایک ایک ایک اقیتی خاتون ہے۔

ہیونمنڈ پلپمنٹ انڈیکس پاکستان (UNDP)² کے مطابق 169 ممالک میں پاکستان کا نمبر 125 وال ہے۔ گویا پاکستان ایشیا کے پس ماندہ ممالک میں سے ایک ہے۔ انسانی غربت کے انڈیکس میں 108 ترقی پذیر ممالک میں پاکستان کا نمبر 77 وال ہے۔ ایک اندازے کے مطابق 2009ء میں 6.2 کروڑ افراد غربت کی لکیر سے نیچے زندگی بر کر رہے تھے۔ 2009ء میں ولاد بینک کے ایک تخمینے کے مطابق 2009ء-2010ء کے دوران غربت میں 25 فیصد اضافہ متوقع تھا۔ اس دوران سیلابوں کے باعث اس اندازے کی صداقت میں شک کی کوئی گنجائش نہیں رہی۔ امیر اور غریب کے درمیان فرق میں اضافہ ہوا ہے۔ 2011ء کے مالی سال کے دوران افراطیز کی شرح کا اندازہ 20-15% تھا۔

پاکستان اُن چند ممالک میں سے ہے جو ”تمام افراد کے لئے تعلیم“³ کا حدف بھی حاصل نہیں کر سکے۔ 10-2009ء کے دوران قومی پیداوار (GDP) کی شرح 2.3% تھی اور خواندگی کی شرح 56%⁴ سے تجاوز نہیں کر پائی۔ معیاری پرائزمری تعلیم⁵ کے ضمن میں 134 ممالک میں سے پاکستان 117 وال ملک ہے۔

صحت کی سہولیات بھی نہایت پست ہیں۔ پاکستان میں 5 سال سے کم عمر میں انتقال کرنے والے بچوں کی شرح جنوبی ایشیا میں سب سے زیادہ ہے (90 بچے فن (1000

1- 1998ء میں کی گئی افراد شماری کی بنیاد پر تخمینہ

2- http://hdr.undp.org/en/media/HDR_2010_EN_Table_reprint.pdf

3- یونیکسکو گلوبل مانیٹر گنگر پورٹ

4- اکنامک سروے آف پاکستان

5- ولڈ اکنامک فورم (Global Competitiveness Index) کے انڈیکس 2009 سے 2009 HRCP کی رپورٹ لی گئی۔

صحت پر فرد اخراجات و رلڈ ہیلتھ آر گنائزیشن (WHO) کی سفارش کردہ 34 ڈالرز کے مقابلہ میں 16 ڈالرسالانہ ہے۔ نوجوانوں کے لئے کم ترین موقع کا ہونا ایک اور تاریک پہلو ہے۔ 2009ء میں 3.4 کروڑ بے روزگار تھے جن میں سے 1.4 کروڑ تعلیم یافتہ تھے۔

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کی رپورٹ 2009ء کے مطابق صنفی عدم مساوات کے ضمن میں 128 ممالک میں سے پاکستان 126 وال ملک ہے جو ملک میں خواتین کی پست حالت کا غماز ہے۔ غیرت کے نام پر قتل، گھر بیو شدہ اور جنسی زیادتی کے واقعات معمول ہیں۔

ملک میں انہا پسندی اور بڑھتی ہوئی عدم برداشت نیز خواتین کی حیثیت کے تعین کا باعث بنے والے قوانین اور تکفیر کے قوانین کا دباؤ جیسے عوامل اقیمتی مردوگان کی حیثیت اور کردار کو محدود کرنے کا باعث ہیں۔ علاوه ازیں معاشرے میں فرسودہ روایات خواتین کے حقوق سے متصادم ہیں جس کے باعث اقیمتی خواتین دہرے تھصب کا شکار بنتی ہیں۔ ایک عورت ہونا اور دوسرا اقیمتی عورت ہونا دہرے تھصب و جبر کا شکار ہونے کی وجہ ہے۔ اقیمتی خواتین معاشرے میں تھصب کا شکار ہیں تو گھر میں انہیں مساوی موقع کے حصول میں قدرامت پرستی، گھر بیو شدہ، صنفی تشدد کے زیر اثر امتیاز کا سامنا ہوتا ہے۔ فیصلہ سازی کا حق نہ ہونا ایک معاشرتی قدر ہے۔ متذکرہ حقوق کے باوجود اقیمتی خواتین نے دستور پاکستان کے تحت دیئے گئے حقوق اور پاکستان کے دستخط شدہ معاهدات میں دی گئی ہمایوں کے مطابق اپنے حقوق کی جدوجہد جاری رکھی ہے۔ اقیمتی خواتین اگر معاشرے میں فعل نظر آتی ہیں تو یہی حقیقت مستقبل کے لئے امید کا باعث ہے۔

2.1 حکمرانی اور پالیسی

پاکستان میں عمومی طور پر خواتین کے حقوق کے فروغ کے معاملہ میں غیر منظم اور جمعی رویوں کا سامنا رہا ہے۔ مسلم عالمی قوانین 1960ء کا نفاذ ایک اچھا اقدام تھا تو دوسری طرف 1980ء میں حدود قوانین اور قانون شہادت الٹی سمیت میں سفر تھا۔ اس کے باعث اقیمتی خواتین سمیت تمام خواتین متأثر ہوئیں۔ 2000ء میں قانون ساز اسمبلیوں اور بلدیاتی اداروں میں خواتین کے لئے نشستیں مخصوص کرنا اور تحفظ انسواں ایکٹ 2004ء کے ذریعے حدود قوانین کے چند حصے ختم کرنا بھی ایک ثابت قدم تھا۔ جبکہ دوسری طرف پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق اور عورت فاؤنڈیشن کی جانب سے اکٹھے گئے گئے اعداد و شمار کے مطابق خواتین کے خلاف تشدد، غیرت کے نام پر جرام، گھر بیو شدہ، جنسی ہر انسانی کے واقعات میں بلا روک ٹوک اضافہ ہو رہا ہے۔

2010ء میں قومی اسمبلی کے ذریعے گھر بیو شدہ کے خلاف بل میں خواتین کے تحفظ کے لئے اقدامات کئے گئے تھے۔ تاہم 90 روز کی مقررہ مدت میں سینٹ سے نہ منظور ہونے کے باعث یہ بل ختم ہو گیا۔ بہر حال خواتین کے خلاف جنسی ہر انسانی پر دوسرے بل کو سینٹ نے منظور کر لیا جس کے باعث خواتین کو مقام کار پر کچھ تحفظ ملا۔

2003ء میں قائم ہونے والی ”وفاقی وزارت برائے ترقی نسوان“ 2011ء میں صوبوں کو منتقل کی جانے والی وزارتوں میں سب سے زیادہ پست حال وزارت تھی۔ اس وزارت کے کچھ امور انسانی حقوق کی وزارت کو سونپ دیئے گئے۔ خواتین کی ترقی کی وزارت کے لئے وفاقی وزیر کی تعیناتی (2008ء-2011ء) کو نظر انداز کیا گیا۔ یہی وزیر اعظم کے مشیر کے ذریعے پوری کی گئی۔ اس وزارت کو کمزور حالت، غیر واضح اور وضعیت دائرہ عمل، مہم اصول کا ریز خواتین کے مسائل حل کرنے کے بارے تربیت یافتہ طائف کے فنڈز کی کمی جیسے مسائل کا سامنا تھا۔

خواتین کی ترقی کے لئے صوبائی سطح پر بھی ادارے قائم کئے گئے۔ تاہم سنده اور بلوچستان کو چھوڑ کر یہ ادارے سماجی بہبود کے مکمل جات میں ختم کر دیئے گئے۔

اگست 2011ء میں صوبوں کو اختیارات منتقل کرنے سے پہلے اور بعد میں ویمن کرائس سنسٹر کی نزد کارکردگی کے علاوہ پنجاب میں اس سنسٹر کی منتقلی کا قضیہ دراصل خواتین کے حقوق اور ان کی بہبود کے معاملہ میں پالیسی اور عمل درآمد میں حکومت کی سمجھیگی پر ایک سوال ہے۔

آنین میں 18 ویں ترمیم کے ذریعے بڑی حد تک صوبوں کے تحفظات بالخصوص خودختاری کے مسائل کو حل کر لیا گیا ہے۔ تاہم اس نئی آئینی ترمیم کے مطابق موثر عمل درآمد کا انحصار صوبوں کی استعداد پر ہے کہ وہ قانون سازی اور انتظام کے اضافی اختیار کو اس طرح استعمال کرتے ہیں۔

ویمن ڈویلنمنٹ ڈویژن سے زیادہ موثر کردار ادا کرنے کی توقع کی جا رہی تھی۔ مشترکہ لسٹ کے ختم کئے جانے کے باعث اب فوجداری قانون، معاملات، جائیداد کی منتقلی، مزدوروں کی بہبود، نکاح اور طلاق پر قانون سازی کا اختیار صوبوں کے پاس منتقل ہو گیا ہے۔ 2000ء میں خواتین کی حیثیت پر قائم کردہ قومی کمیشن نے کچھ مفید کام کئے۔ کمیشن کے قیام سے ہی اُس کی قیادت اور خواتین کی چند تنظیموں نے بہت محنت اور لگن سے کام کیا۔ قومی کمیشن برائے حیثیت نسوان NCSW کا ادارہ مستقبل میں اقلیتی خواتین کے نکاح کے قوانین پر تحقیقی مطالعہ پر کام کرنے کا منصوبہ رکھتا ہے۔ تاہم انسانی حقوق کے ایک قومی ادارہ کی حیثیت سے اُس کو متعلقہ مسائل پر پالیسی اور قانون سازی پر اثر انداز ہونے کے اختیارات نہیں تھے۔

1993ء سے قانون و انصاف کی وزارت کے علاوہ وفاق میں انسانی حقوق کے ڈائریکٹوریٹ اور صوبائی سطح پر ڈپٹی ڈائریکٹوریٹ قائم کئے گئے ہیں۔ تاہم انسانی حقوق کے یہ ڈویژن اور مکمل جات اقلیتی خواتین کے مسائل کو قومی سطح پر لانے میں ناکام رہے۔

وفاقی شرعی عدالت اور اسلامی نظریاتی کونسل دو آئینی ادارے ہیں جن کے قانون سازی میں مخفی اور واضح کردار متعین ہیں۔ اُن کے فیصلوں کا اطلاق مذہبی اقلیتوں پر بھی ہے تاہم ان اداروں میں اقلیتوں کی کوئی نمائندگی نہیں۔

اقلیتی امور کی وزارت کو ہر حکومت نے نئے تجربات کے لئے تجربہ میشنا بنائے رکھا ہے۔ آج تک یہ معہدِ حل نہیں ہو پایا کہ اسے وزارتِ مملکت بنایا جائے یا مکمل اور با اختیار وزارت کا درجہ دیا جائے۔ 1999ء کے دوران پرویز مشرف کی کابینہ میں اقلیتوں کی وفاقی وزارت تھی جس کے ساتھ کچھ دیگر امور بھی جڑے ہوئے تھے (مرحوم ڈیریک سپرین اور جناب کریم ٹریسلر)۔ تاہم 2005ء-2007ء میں وزیرِ اعظم ظفر جمالی نے اقلیتوں کی وزارت کو کھانا مناسب نہیں سمجھا۔ اس وزارت کا عملہ جناب اعجاز الحق کی سربراہی میں وزارت مذہبی امور کے شعبے کے طور پر کام کرتا رہا۔ اس مکمل کے پاس کوئی فذ نہیں تھے۔ اسی دور کے اگلے وزیرِ اعظم شوکت عزیز نے (2008ء-2006ء) الگ ٹاف کے ساتھ ایک وزیرِ مملکت برائے اقلیتی امور تعینات کیا۔ نومبر 2009ء سے مارچ 2011ء تک شہباز بھٹی اقلیتی امور کے وفاقی وزیر ہے۔ اُن کے قتل کے بعد حکومت نے اقلیتوں کے امور پر وزیرِ اعظم کے ایک مشیر کا تقرر کیا جس کا عہدہ وفاقی وزیر کے برابر ہے اُس کے علاوہ وزیرِ مملکت نئی وزارت برائے قومی تکمیلی کے لئے مقرر کر دیا گیا۔

6- صوبوں اور وفاق کے مابین قانون سازی کی مشترکہ لسٹ جس کو 18 ویں آئینی ترمیم کے ذریعے ختم کر دیا گیا تھا۔

7- جناب ڈیریک سپرین اور کریم ایس کے ٹریسلر

وفاقی وزیر شہباز بھٹی نے ایک مسیگی خاتون آسیہ بی بی کے حقوق کا فافع کرتے ہوئے اپنی جان دے دی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ کام صرف اقلیتی امور کی وزارت کا نہیں۔ انسانی حقوق بالخصوص خواتین کے حقوق کا تحفظ کرنا تمام وزارتوں اور ملکہ جات کی ذمہ داری ہے۔ تاہم جب ایک اقلیتی خاتون کا مسئلہ سامنے آیا تو یہ تنام ادارے اور وزارتبیں اپنے فرائض ادا کرنے سے گریز پار ہیں۔ مختلف حکومتوں کے ادارے میں اقلیتی امور کی وزارت کو اقلیتوں کے مسائل حل کرنے کی بجائے یہ وزارت انہیں خیرات میں دینے کے لئے استعمال کی گئی۔

مختلف حکومتوں کی جانب سے وفاقی اور صوبائی سطح پر اقلیتوں کی مشاورتی کمیٹیاں تشکیل دی جاتی ہیں۔ تاہم ان مشاورتی کمیٹیوں کی کوئی قانونی حیثیت نہیں علاوہ ازیں ان کے کام اور ذمہ داری کا کوئی تعین نہیں کیا گیا۔ چنانچہ حقوق کے تحفظ کے ضمن میں ان کمیٹیوں کا کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ ان تمام نام نہاد اداروں میں سے کسی ایک نے بھی مذہبی اقلیتوں کو درپیش مسائل پر توجہ دینے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ مثال کے طور پر اقلیتوں کے عائلی قوانین پر نظر ثانی کا مسئلہ جس کے باعث بے شمار خاندان متأثر ہوئے ہیں۔ ان قوانین کی وجہ سے انسانی حقوق کی پامالیوں کے واقعات رونما ہوتے ہیں۔ بد قسمتی سے مصلحت کوئی ہمارے فیصلہ سازی کے ڈھانچے کا ایک مستقل ہجوم ہے جو کشیر وسائل کے زیاب کا باعث ہے۔

اس تحقیقی مطالعہ میں چند بنیادی سوالات اٹھائے گئے ہیں۔ کیا پالیسی اور حکمرانی میں کہیں اقلیتی خواتین کا وجود ہے بھی کہ نہیں؟ کون سی وزارت اُن کی بہبود کے لئے کام کر رہی ہے؟ اقلیتی خواتین کی حالت زارہ کیلئے کر اندازہ ہوتا ہے کہ قانون ساز ادارے اور اُن کا عملہ، انصاف کی فراہمی کا نظام، عمل درآمد کے لئے لائچ عمل اور منصوبہ جات میں اقلیتی خواتین تاحال حکومت کی نظر میں عرضہ معطل ہیں۔

2.2 سماجی و معاشری حیثیت

سنده اور پنجاب میں تقریباً 90% مسیگی اور ہندو غیر رسی شعبہ جات مثلاً زراعت، بھٹے خشست، اور گھر بیلو ملازم میں جیسے روزگار سے وابستہ ہیں۔ اقلیتی خواتین کی غیر قانونی گرفتاری، اُن پر تشدد، جنسی زیادتی، کم معاوضہ یا بغیر معاوضہ مزدوری، غیر قانونی قبضہ اور زمین پر ناجائز قبضہ کرنے کے واقعات کی روپورٹس عام ہیں۔ اقلیتی خواتین اور کم عمر رکھیوں کے جری تبدیلی مذہب کے خلاف قانونی اور عدالتی تحفظ فراہم کرنے کے مطالبات کو یہ بعد گیرے آنے والی حکومتوں نے مسلسل نظر انداز کیا ہے۔

80% اقلیتی برادری غریب ہے جبکہ پاکستان کی 40% آبادی غربت کی لکیر سے نیچے زندگی بسر کر رہی ہے (HRCP رپورٹ 2009ء)، یہ ایک واضح فرق ہے جس کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ گھر بیلو ملازمت کرنے والوں کی مصدقہ تعداد نامعلوم ہے تاہم HRCP کی رپورٹ 2004ء صفحہ 216 کے مطابق گھر بیلو مزدوروں کا 6.7 فیصد (80 لاکھ) بچے مزدوری کر رہے ہیں۔ عام تعطیل کے روز کام کرنا، بیماری کی حالت میں کام کرنا، طویل اوقات کار، ہر انسانی اور تشدد کا نشانہ بننا اور

8۔ نکاح، طلاق، بچوں کی تحویل اور وراثت میں متعلق قوانین

9۔ مطالعہ کے تیسرا باب میں دیجئے گئے اعداد و شمار کا حوالہ دیا گیا

10۔ HRCP رپورٹ 2009ء

11۔ HRCP رپورٹ 2004ء صفحہ 216

جنسی زیادتی گھریلو ملازمین کی روزمرہ زندگی کے مسائل ہیں۔ گھریلو ملازمین کی خاطر خواہ تعداد کا تعلق اقلیتی برادری سے ہے۔ ایک اندازے کے مطابق ملک میں زراعت کے شعبہ میں 17 لاکھ افراد جبکہ 13000 ائماؤں کے بھٹوں پر خواتین اور بچوں سمیت 10 لاکھ افراد جری مشقت کا شکار ہیں۔¹² HRCP رپورٹ 2009 صفحہ 230 پر مندرجہ ذیل رقم ہے۔

پاکستان میں جری مشقت کے شکار افراد میں اکثریت کا تعلق مذہبی، یا پچلی ذات کی اقلیتوں سے ہے۔ سندھ میں ہندو اور پنجاب میں مسیحی مزدور جو ہر سطح پر کمزور ہیں۔ اپنے آجروں کے معاشی استھان کے شکار یہ مزدور انسانی تجارت کے مسئلے سے بھی دوچار ہوتے ہیں۔ اس نظام کے تحت ایک آجر کو مزدور کے ذمہ قرض کی رقم ادا کر کے ”خرید“ لیتا ہے۔

لاقا نونیت کے باعث عرصہ ہوا سماجی تحفظ کا ڈھانچہ تباہ ہو چکا ہے اور اقلیتی برادریاں داخلی طور پر بھی کمزور ہو چکی ہیں۔ لباس کی طرز، بچے کی پیدائش پر نام کا چنا و سماجی انجداب کی علامات ہیں جن کے باعث ملک کی ثقافتی زندگی میں اقلیتوں کی موجودگی معدوم ہوتی چلی جا رہی ہے۔ سماجی دباؤ کے ان عوامل کے باعث وہ کھیل کے میدان سے سیاسی میدان (بشوں دیگر شعبہ ہائے زندگی) تک شراکت سے محروم ہونے کے باعث بے بسی کی تصوری ہیں۔

تحفظ اور سلامتی کو لاحق خطرات

2006ء میں بلوچستان میں ملٹری آپریشن کے دوران ڈیرہ گٹھی، کوہلو اور ملحقہ علاقہ جات سے اقلیتی خواتین اپنے خاندانوں سمیت نقل مکانی پر مجبور ہوئیں۔ 2007ء سے خیبر پختونخواہ اور وفاق کے زیر انتظام قبائلی علاقہ جات میں تحریک طالبان پاکستان کے زیر اثر غیر ریاستی عناصر کی جانب سے اقلیتوں پر جری یہ کے نفاذ اور انہوں برائے تاوان کی وارداتوں کے باعث اقلیتوں کو داخلی نقل مکانی کا سامنا رہا ہے۔¹⁴

ایسی بہت سی واضح مثالیں ہیں جب اقلیتی خواتین کو محض مذہبی برادری سے تعلق ہونے کے باعث امتیاز کا شکار ہونا پڑا۔ ایکڑ انک اور پڑمنٹ میڈیا، پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کی رپورٹس، ”جائزوہ انسانی حقوق“ اور دیگر رپورٹس میں اقلیتی خواتین بالخصوص ہندوؤں کیوں کے جری قبول اسلام کے واقعات رپورٹ کئے گئے ہیں۔ جن کو انہوں کر کے جری طور پر اسلام قبول کروانے کے بعد مسلمان مردوں کے ساتھ زبرستی بیاہ دیا گیا۔ مقام کار اور تعلیمی اداروں میں تعصّب، جنسی زیادتی، قتل، منافرانہ گفتگو، سماجی دباؤ اور مذہب تبدیل کرنے کی دعوت اقلیتی برادری کا اکثریتی برادری کے ساتھ سماجی میل جوں کا ایک ناگزیر حصہ ہے۔¹⁵

12-HRCP رپورٹ 2009، صفحہ 230

13-HRCP رپورٹ 2009، صفحہ 230

14-جزیہ اسلامی ریاست میں غیر مسلم افراد پر عائد گیس

15-قوی کیشن برائے امن و انصاف کی اشاعت

متعلقہ تحقیقی مطالعہ جات

3.1 - بین الاقوامی قانون میں اقلیتیں

”اقلیت“ کی اصطلاح کئی معنوں اور مختلف مفہوم میں استعمال کی جاتی ہے پرانچ بین الاقوامی قانون میں اقلیت کی اصطلاح کے لئے کوئی مسلمہ تعریف موجود نہیں۔ تاہم اقوام متحده کے اداروں نے اقلیتی گروہوں کے حقوق کے تحفظ اور فروع کے لئے اس اصطلاح کے معنے متعین کرنے کی کوشش کی ہے۔ اقوام متحده کے دیگر مختلف اداروں نے بھی اسی مقصد کے تحت مختلف معیارات اور طریق کاروڑ کرنے کی کوشش کی ہے۔

1977ء میں اقلیتوں کے تحفظ اور امتیاز سے بچاؤ پر اقوام متحده کے سب کمیشن کے خصوصی بصرفرانسیسکو کپوٹوری (Francesco Capotorti) نے ”اقلیت“ کی ایک تعریف یوں پیش کی۔

”اقلیت“ ایک ایسا گروہ ہے جو ریاست کی باقی آبادی سے تعداد میں کم اور حیثیت میں بالادست نہ ہو۔ جس کے ارکان ریاست کے شہری ہونے کے ناطے سانی، مذہبی اور نسلی انتہا سے مختلف خصوصیات کے حامل ہوتے ہیں جن کا اظہار وہ اپنی ثقافت، روایات، مذہب یا زبان کے تحفظ کے لئے کئے جانے والے اقدامات¹⁶ کے ساتھ پہنچتی کے طور پر کرتے ہیں۔

1947ء میں معاشری اور سماجی کونسل (ECOSOC) کے تحت انسانی حقوق کمیشن نے اپنے پہلے اجلاس میں اپنا ایک معاون ادارہ ”اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ اور فروع پر اقوام متحده کا معاون کمیشن“، کی تشكیل دی جس نے اقلیتوں کے حقوق کو اجاگر کیا۔

1966ء میں شہری اور سیاسی حقوق پر منظور ہونے والا عامی معہدہ وہ پہلا بین الاقوامی قانون تھا جس میں اقلیتوں کے حقوق کا تذکرہ کیا گیا۔ معہدے کی دفعہ 27 کے مطابق ”ایسی ریاستیں جہاں نسلی، مذہبی یا سماجی اقلیتیں¹⁷ پائی جاتی ہوں، ان سے تعلق رکھنے والے افراد کو ان کی برادری کے دیگر ارکان کے ساتھ اپنی ثقافت اور مذہب پر عمل پیرا ہونے اور اُس کا اظہار کرنے یا اپنی زبان کے استعمال کے حق سے محروم نہیں رکھا جائے۔

1992ء میں اقوام متحده کی جزوی یا نسلی، مذہبی اور سماجی اقلیتوں سے تعلق رکھنے والے افراد کے لئے ایک اعلامیہ کی منظوری دی۔ لہذا اعلامیہ کی دفعہ 1 قومی یا نسلی، ثقافتی، مذہبی اور سماجی شناخت رکھنے والے سماجی گروہوں کو اقلیت یا اکثریت کی بنیاد پر تشییم کرتا ہے۔ اس اعلامیہ میں اقلیتوں کے حقوق کے مندرجہ ذیل چاراہم پہلوؤں پر مرکوز کیا گیا ہے۔

1- عدم امتیاز

2- شناخت کا تحفظ

1/E/CN/Sub.2/384/Rev.1,para.568, OHCHR Archives

17- قومی یا نسلی، مذہبی اور سماجی اقلیتوں سے تعلق رکھنے والے افراد کے حقوق کا اعلامیہ

- 3- معاشری انتظام کے لئے اقدامات کے ذریعے اقلیتوں کا تحفظ
- 4- ریاست میں فیصلہ سازی کے عمل میں موثر شراکت (آرٹیکل 1، 2 اور 3)

قبل ازیں نسلی امتیاز کے خلاف عالمی معاهدہ میں تعصب و امتیاز کی تعریف کا تعین یوں کیا گیا ”امتیاز سے مراد کوئی تخصیص، استثناء، پابندی، اخراج یا فوکیت (جود و سروں کو دی جائے)“ (دفعہ 1.1)

دیگر متعدد عالمی معاهدوں کی طرح خواتین کے خلاف ہر قسم کے امتیاز کے خاتمے کے معہدے میں بھی کسی دفعہ میں اقلیتی خواتین کا ذکر نہیں گیا۔ تاہم ممالک میں اس مسئلہ پر پیش رفت کی جانچ کرنے کے لئے معیادی جائزہ لینے کا عمل شروع کرنے والی سیڑا کمیٹی اقلیتی خواتین کے مسائل سے بخوبی آگاہ ہے چنانچہ اس پر بحث اور روپورنگ کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔ (تفصیل ضمیمه 1 میں ملاحظہ کریں ”سیڈا“)

مختلف ممالک اور بین الاقوامی سول سوسائٹی کی تنظیموں کی جانب سے اقوام متحده میں اقلیتوں کے حقوق کے حوالہ سے ایک جامع معہدہ پیش کرنے کی کوششیں جاری ہیں۔ چنانچہ اقیقت کی اصطلاح پر کسی بین الاقوامی تعریف پر اتفاق رائے نہ ہونے کے باوجود دنیا بھر میں بین الاقوامی، قومی اور علاقائی اداروں نے اقلیتوں کو درپیش مسائل پر پیش رفت کی ہے جس کا ثبوت اقلیتوں کو تحفظ فراہم کرنے کے لئے بین الاقوامی قانون کے ذریعے معیارات قائم کرنے کے اقدام ہیں۔

3.2 پاکستان میں اقلیتیں

پاکستان میں اقلیتوں کے بارے موجود تکمیل میں ان کے تاریخی کردار، اُس کے تجربے اور انہیں درپیش امتیاز اور اُن کے حقوق کی پامالی کا بیان ہے۔

آرچ بشپ لارنس جان سلڈانہ نے تقسیم کے وقت مسیحیوں کی خدمات کو یاد کرتے ہوئے لکھا ہے ”مسیحی برادری گو منحصر تا ہم بہت منظم تھی۔ سول سرسوں، بیکوں، پولیس، ریلوے وغیرہ جیسے شعبہ جات میں مسیحی کلیدی اسامیوں پر فائز تھے۔ پنجاب اسمبلی میں مسیحیوں کے سیاسی رہنماء میں پی سنگھا، ہی ای گین اور دیگر شعبہ جات میں بہت سے نام ہیں جنہوں نے اس ملک کی نہایت وفاداری سے خدمت کی ہے۔“ مزید اپنے اظہاریے میں انہوں نے 1947ء کے بعد صحت کے شعبہ میں مسیحی نرسرز کی گواں قدر خدمات اور تعلیم اور سماجی بہبود کے شعبہ جات میں مسیحیوں کی خدمات کا ذکر کیا ہے۔

مسیحی راہبادت کی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے وہ بیان کرتے ہیں کہ تقسیم ہند کے بلوؤں کے دوران بارہ مولا، کشمیر میں تقریباً 88 ہندوار مسلم افراد کو فرانسکن سسٹرز آف میری نے اپنے ہاں پناہ دی۔ اس بہادری اور خدمت کو فراموش نہیں کیا جانا چاہیے۔ آرچ بشپ اپنے مضمون کے اختتام پر اپیل کرتے ہیں کہ حکومت مسیحی برادری کی خدمات کو تسلیم کرے نیز آئندہ نسلوں کی آگاہی کے لئے ان (اقلیتوں کا) کا تذکرہ تاریخ کی کتابوں میں کیا جائے۔

18- اقلیتوں کے حقوق: بین الاقوامی معیارات اور عمل درآمد کے لئے رہنمائی; http://www.ohchr.org/Documents/Publications/MinorityRights_en.pdf (HR/PUB/10/3);

19- قیام پاکستان کے وقت مسیحیوں کی سماجی خدمات (اعلیٰ و نیز ڈسپری 2006)

ایڈو و کیٹ عمانوئل ظفر کی کتاب ”پاکستانی مسیحیوں کی مختصر تاریخ“، (Concise History Of Pakistani Christians) میں پاکستان میں ماضی اور حال میں سفارت کاری، عدیہ، سماجی خدمات، صحت، انسانی حقوق کی جدو جہد میں حصہ لینے والے تعلیم، کھلیل، آرٹ، فلم، ڈانس، موسیقی اور یہ یو جیسے شعبوں میں نمایاں خدمات انجام دینے والے مسیحی برادری کے افراد کے بارے بیان کیا گیا ہے۔ یہ ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ انہیں گنجائش، سہولت اور تحفظ کا ماحول فراہم کرے جس میں وہ ملک کی ترقی کے لئے دیگر شہریوں کی مانند پوری آزادی سے اپنا کردار ادا کر سکیں۔

اقلیتوں سے متعلقہ مواد میں ایک اہم اشاعت قومی کمیشن برائے امن و انصاف کی شائع کردہ پاکستان میں اقلیتوں کی سالانہ پورٹ ”جاائزہ انسانی حقوق“ ہے۔ اس روپورٹ میں ایک سال کے دوران مذہبی اقلیتوں کے خلاف امتیاز اور انسانی حقوق کی پامالی کے واقعات کو روپورٹ کیا جاتا ہے۔ تعصب و امتیاز اور انسانی حقوق کی پامالی کے واقعات کی صورت پیش کئے گئے مواد کے ذریعے ریاست میں عمومی، رائے ساز اشخاص و اداروں اور پالیسی سازوں تک اقلیتوں کے حقوق کے حقوق کے لئے لا بنگ اور دکالت کی جاتی ہے۔ جائزہ انسانی حقوق میں، منافرانہ کلام (Hate Speech)، جری تبدیلی مذہب، تشدد، جنسی زیادتی، مقام کار اور تعلیمی اداروں میں تعصب، تکفیر کے مقدمات اور دیگر انسانی حقوق کی پامالی کے واقعات کو روپورٹ کیا جاتا ہے۔

اسی طرح پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (HRCP) کی انسانی حقوق کی صورت حال پر سالانہ اشاعت میں پاکستان بھر میں انسانی حقوق کی پامالی کے واقعات کو روپورٹ کیا جاتا ہے۔ اس اشاعت میں ریاست کے قانون، اُس پر عمل درآمد میں ریاست اور متعلقہ حکام کی جانب سے گریز کو موضوع بنا یا جاتا ہے۔ روپورٹ میں بیانی آزادیاں، محروم طبقات کے حقوق، سماجی و معاشری حقوق، قانون کی حکمرانی جیسے موضوعات سے متعلق ہونے والی حقوق کی پامالیوں کو موضوع بنا یا جاتا ہے (ملک میں انسانی حقوق کی صورت حال کے مطابق)۔ دونوں اشاعتوں ہر اعتبار سے نہایت معتبر ہیں۔ ان میں بیان کئے گئے واقعات کی اشاعت سے قبل نہایت چھان بین کی جاتی ہے۔

ایک اور اہم دستاویز امریکی کمیشن برائے بین الاقوامی مذہبی آزادی کی جانب سے جاری ہونے والی روپورٹ ہے جس کا نام بین الاقوامی مذہبی آزادی کی روپورٹ (International Religious Freedom Report) ہے۔ روپورٹ میں مذہبی اقلیتوں کی حیثیت اور صورت حال بیان کی جاتی ہے۔ متنزکہ روپورٹ اپنے ذرائع معلومات، انہیں جمع کرنے اور آن کی تصدیق کرنے کے معاملات میں ایک دوسری سے مختلف ذرائع رکھتی ہیں۔ ان روپورٹ کی صداقت شکوک سے بالاتر ہے۔ انہیں انسانی حقوق کے تناظر میں مرتب کیا جاتا ہے۔

اقلیتوں کو درپیش مسائل تجربیاتی بحث کا بھی موضوع رہے ہیں۔ عموماً یہ بحث پاکستان میں عدم برداشت اور انہا پسندی کے رجحان میں اضافے کے دور پر جا ٹھہر تی ہے۔ یہ دور پاکستان میں اسلامائزیشن کا تھا جس کے دوران جزل ضیافت کے دور حکومت میں قانونی، سماجی اور ثقافتی اقدار کے ضمن میں خواتین کے حقوق سلب کر لئے گئے۔ اسی حکم کے ذریعے ملک میں تخلی مزاجی اور دیگر برادریوں کے لئے قبولیت اور برداشت کی گنجائش ختم کر دی گئی۔ اس صورت حال کے باعث خواتین اور بالخصوص اقلیتی خواتین پر ہونے والے اثرات کو فریدہ شہید اور نیم حسین²² نے بیان کیا۔ خواتین کی تحریک کی تاریخ اور اُس کے لئے اپنائی گئی حکمت عملی پر تبصرہ کرتے ہوئے فریدہ اور نیم لکھتی ہیں کہ ”خواتین کے مسائل کو سطح پر لانے کا سہرا خواتین کی تحریک کو جاتا ہے۔“ (صفحہ 8)۔ درپیش مسائل بہت ہیں اور بہت سے رہیں گے،

20۔ پاکستانی مسیحیوں کی تاریخ (umanoweil ظفر)

21-1997ء

22۔ فریدہ شہید اور نیم حسین کی تصریف (Interrogation The Norms: Women Challenging Violence in an Adversarial State)

تاہم جدوجہد جاری رہے گی اسی طرح اقلیتی خواتین بھی اپنی پست حیثیت کے خلاف جدوجہد جاری رکھیں گی۔

اثر ریوسن سنٹر لاہور (ASR Resource Centre Lahore) کی شائع کردہ ایک تحقیقی مطالعہ ”مذہبی اقلیتوں کے خلاف امتیاز: آئینی تناظر²³ (Discrimination against Religious Minorities: Constitutional Aspects)“ میں اس پہلو پر بحث کی گئی ہے کہ ریاست کے دستور اور قوانین کو بالخصوص مذہبی اقلیتوں کے خلاف استعمال کیا گیا ہے۔ اس میں قرارداد مقاصد پر مختلف مباحث کا حوالہ دیا گیا ہے، جدا گانہ اور مخلوط انتخابات کا مسئلہ، حدود آرڈیننس کے اثرات، ایک غیر مسلم شہری کے ریاست کا سربراہ ہونے پر پابندی اور بالآخر ضایا الحق کے دور میں ان امور کا آئین کا حصہ بنا دیئے جانے کا بیان ہے۔ مزید 1956ء کے آئین کا حوالہ دیا گیا ہے، 1960ء کے آئینی کمیشن (جس کو جدا گانہ اور مخلوط طرز انتخابات کے معاملہ پر دیکھنا تھا) کا تذکرہ بھی شامل اشاعت ہے۔ علاوہ ازیں 1962ء اور 1973ء کے دستیر اور ضایا الحق کی جانب سے کی گئی تراجمیم کو بھی موضوع بحث بنایا گیا ہے۔

اس مطالعہ میں مختلف اوقات میں اقلیتی برادریوں کی جانب سے ظاہر کئے گئے تحفظات کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ یہ تذکرہ نواب لیاقت علی خان کے وقت سے قرارداد مقاصد پر اقلیتوں کے تحفظات شروع کیا گیا ہے۔ قرارداد مقاصد کے موثر ہونے اور اُس کے آئین پر اثرات اور اُس کے باعث اقلیتوں کے حقوق اور اُن کی مساوی حیثیت متاثر ہونے کا بیان اس میں شامل ہے۔ سروے روپورٹ میں اس نوع کی بحث ”اقلیتی خواتین اور قوانین“ کے باب میں کی گئی ہے۔

لڑ آنزا یہ (Lyz Anzia) اپنے ایک مضمون میں یوں بیان کرتی ہیں۔ ”پاکستان میں طالبانائزیشن کے باعث مسیحی خواتین متعدد خطرات سے دوچار ہیں۔ لو کے مطابق 90٪ پاکستانی مسیحی پنجاب میں رہائش پذیر ہیں جن میں سے 50٪ دیہات میں رہائش پذیر ہیں۔ وہ کہتی ہے کہ گو 25٪ اقلیتی خواتین محروم طبقہ میں شامل نہیں ہوتیں تاہم معاشرے کی پست ترین سطح پر زندگی بسر کرنے والی مسیحی خواتین کو بہت سی مخفی مشکلات کا سامنا ہے۔ اپنی تحریر میں اُس نے بیان کیا ہے کہ ”تعلیم یافتہ اور غیر تعلیم یافتہ مسیحی خواتین نے بتایا کہ انہیں بارہا اپنانہ ہب تبدیل کر کے اسلام قبول کرنے کے لئے کہا گیا۔“ اُس کے مضمون میں جنسی زیادتی، جبری نکاح اور اغوا، خواندگی کی کم ترین شرح اور انسانی حقوق کی پامالی کے وقوعات کی صورت قانون نافذ کرنے والے اداروں کی جانب سے عدم تعاون کا ذکر شامل ہے۔

2005ء میں ڈیموکریٹک کمیشن فارہیون ڈیلمپٹ (DCHD) لاہور کی مرتبہ تحقیقی سٹڈی میں سندھ کی دیہاتی عورت کی معاشی، سماجی اور شفافی حالت زار کا بیان ہے۔ صنفی تناظر میں یہ سروے 100 دیہاتی علاقوں میں کیا گیا ہے اور اس سروے سے حاصل شدہ معلومات کا انسانی حقوق کے تناظر میں تجزیہ کیا گیا ہے۔ سروے میں قانون کے زیر اثر خواتین کے ساتھ ہونے والے امتیازات پر بحث کرتے ہوئے قوانین میں امتیازات اور معاشرتی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر پڑنے والے اثرات مثلاً گھر یو شد، جسمانی لحاظ سے امتیاز، ہراسانی، نقل و حرکت پرقدغن، معاشی، سماجی عدم استحکام (جب لڑکی پیدا ہوتی ہے تو اُس کی خوشی نہیں منائی جاتی) اور فیصلہ سازی میں شرکت کا جائزہ لیا گیا ہے۔

کیا عورت پر تشدد کیا جانا چاہیے؟ غلط اور سست، ایسے سوالات اور بیانات کے ذریعے معاشرتی اقدار کے باعث معاشرے کے اندر جاری امتیاز کے اُس عمل کو بے نقاب کیا گیا ہے جو ایک عورت کی پیدائش سے شروع ہو جاتا ہے اور ان بیانات کے ذریعے معاشرے میں عورت کے عمومی کردار کے تعین کی کوشش کی گئی ہے۔

23۔ اثر (ASR) ریوسن سنٹر لاہور کی شائع کردہ

24۔ 2009ء کو شائع ہونے والا لڑ آنزا کا مضمون: طالبان زدہ پاکستان خواتین کے لئے مشکلات کا باعث

25۔ باب 4 میں دیئے گئے ذریعہ کا حوالہ

26۔ Pakistan Distorting Mirror: Perception of women in the Rural Communities of Sindh (2005) DCHD لاہور کی شائع کردہ روپورٹ

”خط زندگی سے نیچے“ سروے کے مرتبین نے تحقیق پر مبنی ایسے مواد سے استفادہ کیا ہے جس کے باعث انہیں ”دہرے“، جرکی شکار قبیلی عورت کے کردار اور عملی شراکت پر مرکوز رہنے میں مدد ملی ہے۔

دوسری تحقیق جس کا حوالہ دیا گیا ہے وہ راجستان میں دولت (شید بولڈ کاسٹ) خواتین کی معاشی، سماجی حیثیت اور ان کے ثقافتی حقوق²⁷ Dalit Women in Rajasthan Status of Economic, Social & Cultural Rights متعلق ہے۔ اس مطالعہ کا موضوع ہندوستان کا راجستانی علاقہ کی دولت (اچھوت) عورت ہے جس میں دولت عورت کے معاشی، سماجی اور ثقافتی حقوق کی پامالی اور اس کے شہری و سیاسی حقوق پر ہونے والے اثرات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ جس میں بہتری کی گنجائش موجود ہے۔ اُن کے تعلیم، تربیت، اراضی اور دیگر ضروریات زندگی کے حصول کے حق کے راستے میں ایک ”ادارہ جاتی“، اُنکار کو موضوع بنایا گیا ہے جس کے باعث وہ سیاسی اور سماجی و معاشی سطح پر موثر ترکت سے محروم اور معاشرتی پس ماندگی کا شکار ہیں اور بطور شہری نظر وں سے اوچل ہیں، (صفحہ iv)۔

اس باب کے اختتام پر نہیں آزادی پر اقوام متعدد کے خصوصی مبصر عبد العفت عامور کی سفارشات (1. E/CN.4/1996/95/Add) میں سے چند اقتباسات پیش خدمت ہیں۔

82۔ خصوصی مبصر محتاط سوچ بچار، مطالعہ اور دیگر نقطہ ہائے نظر سے مشاورت کے بعد یہ نتیجہ اخذ کرتا ہے کہ نہیں اقلیتوں سے متعلق قوانین بالعموم نہ ہب اور عقیدہ کی بنیاد پر تعصب و امتیاز اور عدم برداشت کے رویوں کے فروغ کا باعث ہیں۔ احمدی برادری پر لا گوئیں اس سلسلہ میں قابل اعتراض ہیں جبکہ ان کی بعض شقیں کئی لحاظ سے ناقابل قبول ہیں۔ عمومی طور پر تکفیر کو نہ ہب یا عقیدے کے خلاف جرم قانون سازی کا موضوع بنایا جاسکتا ہے۔ تاہم اس قانون سازی میں امتیاز و تعصب کا پہلو یا گنجائش نہیں ہونی چاہیے علاوہ ازیں اس کے غلط استعمال کی گنجائش نہ چھوڑی جائے۔ یہ قانون اس قدر نہیں ہونا چاہیے کہ اس کے باعث شہریوں بالخصوص اقلیتوں کے حقوق متاثر ہوں۔ اگر نہ ہب یا عقیدے کے خلاف جرم کی سزا عام قوانین کے تحت مقرر کی جاتی ہے تو شفاف قانونی کارروائی کی صفائحہ دی جائے۔ نیز ایک متوازن روایہ اپنایا جائے۔ ضمیر اور عبادت کرنے کی آزادی جیسے بنیادی حقوق کے تحفظ کے ناظر میں تکفیر کے جرم کی سزا موت مقرر کرنا غیر مناسب اور ناقابل قبول ہے۔ تکفیر جیسا قدم عموماً پست معاشرت اور انتہائی جہالت کا عکاس ہے جس کے لئے محض تکفیر کے ملزم کو مورود از امام ٹھہرانا غیر مناسب ہے۔ خصوصی مبصر تکفیر کے قوانین میں ضابطہ کی کارروائی میں تبدیلی کرنے کی تجویز کی حمایت کرتا ہے۔ اس تجویز پر عمل درآمد کے علاوہ متنزد کردہ تحفظات کی روشنی میں ترمیم کرنے کی سفارش کی جاتی ہے۔ خصوصی مبصر کی رائے میں آئینی اور قانونی تبدیلیوں سے قبل تعلیمی اور انتظامی لحاظ سے کچھ عملی اقدامات کئے جائیں۔

83۔ خصوصی مبصر سفارش کرتا ہے کہ حکام حدود قوانین کو انسانی حقوق کے دائرہ اثر کے مطابق بنائیں۔ علاوہ ازیں گلی طور پر اسلامی ہونے کے باعث ان قوانین کا اطلاق غیر مسلم شہریوں پر نہ کیا جائے۔ یہ بھی سفارش کی جاتی ہے کہ شہادتوں کے معاملہ میں کسی امتیاز کو روانہ رکھا جائے اور مغلوق انتخاب ہو جس میں تمام شہری بلا امتیاز (خصوصاً نہ ہب کی بنیاد پر) شامل ہوں۔

27۔ یہ مطالعہ CDR اور PWESCR کے ذیر انتظام انجام دی گئی
E/CN.4/1996/95/add(session May 2008.Referred as UPR)۔ 28

86 قانون کے احراق اور اس کے احترام کے ضمن میں خصوصی مبصر کی پُر زور سفارش ہے کہ لڑکیوں اور عورتوں (باخصوص اقلیت سے تعلق رکھنے والی) کے ساتھ جنسی زیادتی اور زنا ب مجرم کے ملزمان کو قانون کے مطابق سزادی جائے۔ اقلیتی برادری کو اس زیادتی سے بچایا جائے۔ اس سلسلہ میں تفییش، تحقیق اور گرفتاری کرنے والے پولیس افسران فعالیت کا عملی مظاہرہ کریں۔ ناجائز حراست اور تحویل کی صورت میں فوجداری اور دیوانی قانون کے تحت متعلقہ پولیس افسران کو ذاتی طور پر ذمہ دار کرھا یا جائے۔ گرفتاریوں کا وقت اور دن کے حساب سے ریکارڈ رکھا جائے جس میں وجہ گرفتاری بھی درج کی جائے۔ ان گرفتاریوں میں تمام قانونی تقاضے پورے کئے جائیں۔

89 خصوصی مبصر کے مطابق تمام شہریوں کی آزادی اور حقوق کو یقینی بنانے کے لئے تخلی مزاجی اور برادرست کے ماحول کی اشد ضرورت ہے۔ اس سلسلے میں ریاست کا کردار بینادی اور ناگزیر ہے۔ ناخواندہ عموم کی بڑی تعداد کی موجودگی میں ایک روادار معاشرے کی تشکیل دینے کے سلسلے میں کوئی حقیقی اور پائیدار پیش رفت نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ، سکول سسٹم، خاندان، ذرائع ابلاغ اور مذہبی رسومات (بغیر کسی کو مجبور کئے) کو برادرست کے لئے کلچر کے فروغ کو یقینی بنانے کے لئے استعمال کیا جائے۔ عوامی رائے عامہ تیار کرنے کے لئے ریاست کو زیادہ فعال کردا کرنا ہو گا۔

90 مذہبی انتہاپسندی کے حوالہ سے کمیشن برائے انسانی حقوق (UNO) قرارداد 23/1995 کے مطابق خصوصی مبصر کی یخواہش ہے کہ قانون کے مطابق مناسب اقدامات کر کے انتہاپسندی کو روکا جائے۔

3.3۔ پاکستان میں مذہبی اقلیتوں کے اعداد و شمار

1998 کی اعداد و شماری کے مطابق پاکستان میں 13.2 کروڑ مسلمان (96.28 فیصد)، 11.60 ملین ہندو (1.60 فیصد)، 2.1 ملین مسیحی (1.59 فیصد) اور 51,175، 291، 0.22، 330، 880 فیصد) احمدی (شیعوں کا سٹ جبکہ 0.25٪ فیصد) کا تعلق بھائی، سکھ، پارسی، بدھ مت اور دیگر مذاہب کے افراد ہیں۔

ٹبل الگے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں

انتظامی یونٹ	مسلمان	مسکنی	ہندو	قادیانی	شیعیوں کا سٹ	دیگر
پاکستان	96.28	1.59	1.60	0.22	0.25	0.07
	96.49	1.10	1.80	0.18	0.34	0.08
	95.84	2.59	1.16	0.29	0.06	0.06
سرحد (خیبر پختونخواہ)	99.44	0.21	0.03	0.24	*	0.08
	99.65	0.03	*	0.22	*	0.08
	98.42	1.06	0.11	0.31	0.01	0.09
فاطمی	99.6	0.07	0.03	0.21	0.03	0.07
	99.63	0.04	0.03	0.21	0.03	0.06
	98.16	1.17	0.32	0.10	.007	0.23
پنجاب	97.21	2.31	0.13	0.25	0.03	0.07
	97.66	1.87	0.15	0.19	0.05	0.08
	96.25	3.27	0.06	0.37	0.02	0.03
سنده	91.31	0.97	6.51	0.14	0.99	0.08
	88.12	0.14	9.77	0.12	1.79	0.06
	94.67	1.84	3.08	0.17	0.14	0.10
بلوچستان	98.75	0.40	0.49	0.15	0.10	0.10
	99.42	0.06	0.15	0.14	0.12	0.10
	96.61	1.49	1.58	0.16	0.05	0.10
اسلام آباد	95.53	4.07	0.02	0.34	*	0.03
	98.80	0.94	*	0.23	*	0.03
	93.83	5.70	0.03	0.40	*	0.03

پاکستان میں اقلیتی خواتین: سروے

افراد شماری کی دستاویزات میں بیان کردہ اعداد و شمار میں صنفی اعداد و شمار الگ سے نہیں دیئے گئے۔ تاہم اس میں صوبائی سطح پر اقلیتی برادریوں کی تعداد بیان کی گئی ہے۔ پاکستان میں خواتین کی شرح 48% ہے۔ چنانچہ ذیل میں دیئے گئے گوشوارے میں ہر برادری کی خواتین کا اندازہ اسی فارمولے کے تحت لگایا گیا ہے۔

افراد شماری کی تنظیموں کے مطابق 13 ستمبر 2011ء کو اقلیتی خواتین کی تعداد 177,211,561 تھی جس کے لئے 1998ء سے اب تک 25 فیصد اضافے کا فارمولہ استعمال کیا گیا۔

ہندو اور مسیحی خواتین کی خواندگی، روزگار، بے روزگاری کی شرح، صحت کی حالت کے بارے کوئی سرکاری اعداد و شمار دستیاب نہیں ہیں۔

پاکستان میں صوبہ وار اقلیتیں اور خواتین

دیگر	شیڈیوں کا سٹ	احمری	ہندو	مسیحی	کل تعداد	
14,195	299	42,585	5,323	37,262	99,664	نیپر پختونخواہ
24,352	301,355	42,616	1,981,637	295,267	2,645,227	سنده
6,566	6,566	9,849	32,173	26,264	81,417	بلوچستان
51,535	22,086	184,053	95,708	1,700,652	2,054,034	پنجاب
2,223	953	6,670	953	2,223	13,023	فیصل آباد
242	*	2,738	161	32,773	35,913	اسلام آباد
92,647	330,881	291,175	2,117,636	2,104,401	4,936,740	پاکستان
44,471	158,823	139,764	1,016,465	1,010,112	2,369,635	اقلیتی خواتین (1998)
55,589	198,529	174,705	1,270,581	1,262,640	2,962,044	اقلیتی خواتین (2011)

4.1۔ سروے کا طریقہ کار اور اس کی وسعت

حدود و دو

ڈیٹا جمع کرنے کی سرگرمی کو پنجاب اور سنده کے صوبوں تک محدود کیا گیا۔ پاکستان میں یعنی والی 96.29% اقلیتیں انہی دو صوبوں میں پائی جاتی ہیں۔ ہندو اور مسیحی برادریاں میں اقلیتی برادری کا 92% ہیں چنانچہ سروے کا انعقاد انہی دو برادریوں میں کیا گیا۔

وُسعت

سنده کے 18 اور پنجاب کے 8 اضلاع میں 1000 ہندو مسیحی خواتین سے سوالات کے جوابات حاصل کئے گئے۔ یہ سرگرمی 25 شمارکنندہ خواتین نے انعام دی۔ سروے کو غرافیٰ اعتبار سے صوبوں کے شمالی اور جنوبی ڈوٹونز میں اقیتی آبادی کی کثرت رکھنے والے اضلاع تک پھیلایا گیا۔ خواتین کی نقل و حرکت پر اثر انداز ہونے والے سماجی، ثقافتی عوامل مختلف رہیں گے تاہم یاد رہے کہ صوبے کے اندر خواتین کے شہر سے شہر تک ایک آبادی سے دوسری آبادی، شہر کے اندر، دیہی اور شہری انتظامات، بڑے شہر اور چھوٹے شہر، طبقہ، معاشری اور تعلیمی پس منظر کے تناظر میں بہت تغیری پایا جاتا ہے۔ رازداری کا لمحہ خاطر رکھتے ہوئے جواب دہنده خواتین اور ان کے بچوں کے نامبیں بیان کئے گئے۔ تاہم تمام دستاویزات قومی کمیشن برائے امن و انصاف کے پاس محفوظ ہیں۔

پنجاب	
فیصل آباد	1
سرگودھا	2
راولپنڈی	3
ملٹان	4
بہاولپور	5
رجیم یارخان	6
لاہور	7
گوجرانوالہ	8

سنده			
میرپور خاص	10	کراچی	1
عمرکوت	11	شکار پور	2
ٹھٹھ	12	لاڑکانہ	3
دادو	13	گوئی	4
حیدر آباد	14	جیکب آباد	5
خیرپور	15	بدین	6
میر	16	نوشہرو فیروز	7
نواب شاہ	17	سکھر	8
تھریار کر	18	سانگھڑ	9

سوال نامہ

سروے کے لئے سوال نامہ ترتیب دینے کی غرض سے قومی کمیشن کے شاف اور ماہرین کی متعدد میٹنگز ہوئیں چنانچہ سروے کے سوال نامہ کو مندرجہ ذیل تین مرحلوں کے بعد جتنی شکل دی گئی۔

- 1۔ متعلقہ افراد اور تنظیموں کی مشاورت سے شاف نے سوال نامہ تیار کیا
- 2۔ ماہرین کی رائے سے سوال نامہ کو مزید بہتر کیا گیا
- 3۔ سوال نامہ کا عملی جائزہ

4 روزہ تربیتی ورکشاپ

سروے کے انعقاد کے لیے 25 منتخب سروے کنندہ خواتین کے لئے چار روزہ تربیتی ورکشاپ کا انتظام کیا گیا۔ سروے کنندہ خواتین میں سے 12 کا تعلق پنجاب اور 13 کا تعلق سندھ سے تھا۔ تربیت کے دوران انہیں پاکستان میں بنسنے والی والی خواتین کو درپیش مسائل کے پس منظر کے متعلق تفصیلی معلومات فراہم کی گئیں نیز CEDAW سید امعاہدے کے تحت خواتین کے حقوق اور پراجیکٹ کے مقاصد اور نقطہ نظر کے بارے آگئی دینے کے علاوہ ڈیٹا جمع کرنے کی مہارت سکھائی گئی۔

اٹرو یوکی مشق

اٹرو یوکی عملی مشق کے لئے دودو خواتین کی ٹیم بنادی گئی۔ تربیت کارٹاف اور پراجیکٹ شاف نے اس عمل کی مسلسل نگرانی کی اور دوران مشق پیش آنے والی مشکلات کا جائزہ بھی لیا گیا۔ بعد ازاں سروے کنندہ خواتین نے سوال نامہ کے بارے اپنی مشکلات سے آگاہ کیا۔ سندھی سروے کنندہ خواتین کو ماری زبان سندھی ہونے کے باعث سوال نامہ کی تفہیم کے سلسلہ میں قدرے مشکل پیش آئی۔

جانچ سے قبل

سوال نامہ کی افادیت کا اندازہ لگانے کے لئے پراجیکٹ شاف نے مختلف طبقات اور پیشوں سے تعلق رکھنے والی خواتین سے ملاقاتیں کیں جس کے دوران سوال نامہ کے بارے اُن کی آراء اور تجاویزی گئیں جن کی روشنی میں سوال نامہ میں ضروری تبدیلیاں کی گئیں۔

سروے

سروے کنندہ خواتین کو مختلف خواتین کے اٹرو یوکر نے کے لئے لاہور کے مختلف علاقوں میں بھیجا گیا۔ ہر سروے کنندہ کو 2 سے 4 اٹرو یوکر نے کا حلف دیا گیا۔ اکثریت کو جوڑوں کی صورت بھیجا گیا تاکہ وہ اپنی ساتھی کے کام کا مشاہدہ کر کے اپنی رائے دے سکیں۔ اس سرگرمی کا مقصد عملی مشق کے دوران جواب دہندہ خواتین کے رد عمل کے مطابق سوال نامہ کی جانچ اور اُس میں اُس کے مطابق تبدیلی کرنا تھا۔

شارکاری (شارکاری)

تربیت کے بعد سروے کنندہ خواتین کی ٹیم کو تحریری ہدایت نامہ کے ساتھ سوال نامہ کے فارم دیئے گئے۔ ہر سروے کنندہ کو اُس کے ضلع میں موجود اقلیتی آبادی کے مطابق فارم دیئے گئے۔ لاہور، راولپنڈی، فیصل آباد، ملتان، حیدر آباد اور کراچی کے دفاتر میں موجود قومی کمیشن کا شاف سروے کنندہ خواتین کی سہولت کاری کر رہا تھا۔

(ڈیٹا مرتبا کرنا)

سردے کنندہ خواتین کے پُر کردہ فارمزی جانچ قومی کمیشن کے نیشنل آفس میں کی گئی۔ جانچ کے بعد فارمزی میں موجود ڈیٹا کو درج کر لیا گیا۔

2. جواب دہنده خواتین کے بارے عمومی معلومات

سردے کی جواب دہنده خواتین میں سے 50% صد کا تعلق پنجاب اور 50% فیصد کا سندھ سے تھا جن میں سے 53% فیصد سنتی اور 46% فیصد ہندو خواتین تھیں۔ 47% فیصد خواتین کی مادری زبان پنجابی، 11% فیصد کی سندھی، 8% فیصد کی اردو اور 23% فیصد خواتین کی مادری زبان دیگر تھی۔

جواب دہنده خواتین کی اکثریت (56% صد) کی عمر 25 سے 45 سال کے درمیان تھی جبکہ 1% صد سے کم 18 سال کی عمر اور 6% صد خواتین کی عمر 60 سال یا اس سے زیاد تھی۔ 74% صد خواتین شادی شدہ تھیں۔ صرف 3% خواتین نے بتایا کہ وہ طلاق یافتہ ہیں جبکہ 3% خواتین کے مطابق انہوں نے علیحدگی اختیار کر کھی تھی۔ اولین پانچ پیشواں میں سے اکثریت 24% گھر بیوی خواتین جبکہ دیگر میں 10.10% تدریس، 9.10% نرسر، 7.80% گھر بیوی ملازمائیں اور 7.7% خواتین خاکروپ تھیں۔

53% صد جواب دہنده خواتین ناخواندہ تھیں (پاکستان میں عورتوں کی خواندگی کی عمومی شرح 45% ہے)۔ خواندہ خواتین میں سے 9% صد گریجویٹ جبکہ 5% صد ماسٹرز ڈگری تک تعلیم یافتہ تھیں اور صرف چار خواتین ڈاکٹر تھیں۔ جواب دہنده خواتین میں سے 32% صد میڑک یا اس سے زیادہ حد تک تعلیم یافتہ تھیں۔

79% صد جواب دہنده خواتین کے پاس کمپیوٹر ڈشاختی کا رہ تھا۔ صرف 11% صد خواتین کی عمر 18 سال سے کم تھی جبکہ 77% خواتین (8% صد) نے شاختی کا رہ کے حصول کے لیے درخواست ہی نہیں دی تھی۔ 9% صد خواتین نے اس سلسلہ میں جواب نہیں دیا جبکہ ایک خاتون نے بتایا کہ اس کو شاختی کا رہ کے لیے درخواست دینے سے منع کیا گیا تھا۔ 2% صد نے بتایا کہ انہیں شاختی کا رہ بنانے کی سہولت دستیاب نہیں۔

جواب دہنده خواتین کے خاندانوں میں افراد خانہ کی اوسط تعداد 4.02 تھی جبکہ 60% جواب دہنده خواتین کے افراد خانہ کی تعداد 5 سے 10 تک تھی۔ عام اندازے کے مطابق ہر جواب دہنده خاتون کے خاندان میں کم از کم ایک فرد زیر کفالت تھا۔ بچوں میں اڑکیوں کی تعداد 44% ہے جبکہ ملک میں بچوں میں اڑکیوں کی شرح 48% ہے۔ 3050 نومولود بچوں میں سے 314 موت کے منہ میں چلے گئے یہ شرح اموات 10.30% ہے جو قومی شرح اموات 8.9% ہے۔ ورلڈ بینک کے مطابق (سے زیادہ ہے۔ مرنے والے بچوں کی اکثریت پیدائش کے وقت پاپی پیدائش کے 30 روز کے اندر وفات پائی گئی۔ 33% بچے پیدائش کے وقت جبکہ 37% پیدائش کے 30 روز کے اندر رقمہ اجل بنے جو گل 70% کے قریب شرح بنتی ہے۔

4.3 سروے سے اخذ کی گئی کلیدی معلومات

تعصب و امتیاز (مقام کار، تعلیمی ادارے اور آبادیاں)

جواب دہنڈہ اقلیتی خواتین میں سے 43 فیصد خواتین بذات خود یا ان کے خاندان کا کوئی فرد مذہب کی بنیاد پر تعصب کا شکار ہوا تھا۔ خواتین کی اتنی ہی شرح (43%) نے اس سوال کا جواب نہیں دیا۔ خواتین کی اتنی بڑی تعداد (43%) میں جواب نہ دینے کا سبب مذہبی تعصب کے کھلے عام تذکرہ کے عمل اور مابعد اثرات و نتائج کا غالباً خوف تھا۔

امتیازات کی صورتوں میں ساتھ کھانا کھانے سے انکار 19% (جس سے سماجی تعلقات استوار اور شیئے مظبوط ہوتے ہیں۔ دوسری طرف یہ رو یہ ہمارے اس دعوے کے بر عکس ہے کہ ہمارا معاشرہ بہت انسان دوست اور مہمان نواز ہے) ہو گسلہ شکنی کا رو یہ 16% جس کے بعد منافرانہ کلام اور توہین آمیز کلمات دیکھنے میں آئے۔

صرف 14 فیصد جواب دہنڈہ خواتین نے بتایا کہ انہوں نے کبھی مذہبی امتیاز کا سامنا نہیں کیا۔ سب سے زیادہ متعصبانہ رو یہ مقام کار 40%， تعلیمی اداروں میں 24% جبکہ مقامی آبادی میں تعصب کی شرح 18 فیصد تھی۔

ایک چوتھائی (27%) کے قریب خواتین کو اپنی مذہبی شناخت کے باعث سکول، کالج یا یونیورسٹی میں داخلہ کے لئے مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ نصف (51%) سے زائد جواب دہنڈہ خواتین نے بذات خود اسلامیات کا مضمون پڑھا تھا یا ان کے پچھے پڑھ رہے تھے۔ 53% جواب دہنڈہ خواتین ناخواندہ تھیں جبکہ 46% پچھے یا تو ناخواندہ تھیا پھر ان کے بارے میں معلومات نہیں دی گئیں۔

جواب دہنڈہ خواتین کے جوابات سے واضح ہوتا ہے کہ چناؤ کی محدود گنجائش کے باعث غیر مسلم طلباء کی اکثریت اسلامیات کا مضمون پڑھنے پر مجبور ہے۔ تا حال اسلامیات کے تبادل کے طور پر صرف اخلاقیات کا مضمون ہے۔ دوسری طرف اخلاقیات کے مضمون کا چناؤ کرنے میں طلباء کو مارکنگ کے دوران تعصب کا شکار ہونے کا اندر پیش ہوتا ہے جو طلباء کے مفاد میں نہیں ہوتا۔

ساتھی طلباء کی جانب سے امتیازی رو یوں کے خلاف استاد کو شکایت کرنے والی خواتین 19% تھیں جبکہ 23% خواتین نے شکایت نہ کرنے کا فیصلہ کیا اور 58% خواتین نے اس سوال کا کوئی جواب نہیں دیا۔ جس کے مندرجہ ذیل اسباب تھے۔

- انہیں اساتذہ سے بھی امتیاز کا سامنا کرنا پڑے گا 9%
- تمام معاملہ میں خوف زدہ تھیں 3%
- نظر انداز کرنا ہی بہتر ہے 4%

72% خواتین نے اس مسئلہ پر جواب دینے کی بجائے خاموشی کو ترجیح دی۔
50% خواتین کے مطابق مذہبی شعارات پہنچنے (صلیب، بندیا وغیرہ)، مذہبی نام، رسم و رواج، طریق عبادت اور پرداہ (برقعہ پہننا) نہ کرنے پر اکثریتی برادری کا ان کے ساتھ ثابت رویہ تھا۔

صنفی امتیاز

66% جواب دہنہ خواتین کی پرورش ایسے ماحول میں ہوئی جہاں ان کے ساتھ دیگر بھائیوں کے مساوی سلوک کیا گیا۔ 50% شرح سے تجاوز دیگر صورتوں میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے حوصلہ افزائی (58%)، ملازمت کرنے (73%)، اور فیصلہ سازی میں شرکت (66%) تھی۔

جواب دہنہ خواتین کی اکثریت (66%) کو اپنی پسند کا جیون ساتھی چلنے کی آزادی حاصل نہیں تھی علاوہ ازیں نہ ہی نکاح سے پہلے ان کی رائے لی گئی (نہ ہی رائے لی جانے کا امکان تھا)۔ ماں باپ کی طے کردہ شادی میں بھی 62% ماں باپ نے بچوں کی رائے جانے کی تکلیف گوارانہیں کی تھیں۔

نقل و حمل اور صنفی جرام

56% جواب دہنہ خواتین نے بتایا کہ وہ تنہا سفر کرتی ہیں۔ اکیلے سفر نہ کرنے والی خواتین میں سے 15% نے اس کا سب سے بڑا سبب خاندان کی طرف سے اجازت کا نہ ہونا بتایا۔ 9% کے مطابق وہ اکیلے سفر کرنے کی صورت خود کو غیر محفوظ سمجھتی ہیں۔ 1% خواتین کے مطابق وہ جنسی ہراسانی کے خوف کے باعث اکیلے سفر کرنا مناسب نہیں سمجھتیں، ایک فیصد غالباً راستوں کے بارے میں لاعلمی کے باعث اور 5% خواتین کے مطابق انہوں نے بھی اکیلے سفر کیا ہی نہیں تھا۔



50% خواتین کے نزدیک تنہا سفر کرنا انہیں محفوظ لگتا ہے۔ تاہم ایک اچھی خاصی تعداد (46%) کے نزدیک اکیلے سفر کرنا محفوظ نہیں جس کے بڑے اسباب میں خوف (11%) اور عدم تحفظ (10%) کا احساس تھا۔ 65% خواتین نے کوئی وجہ نہیں بتائی غالباً انہیں کوئی جواز بتانے میں بھی خوف لاحق تھا۔

بودوباش

جواب دہنده خواتین کی اکثریت شہروں میں رہائش پذیر تھی۔ 65% خواتین بنتے گھروں میں رہائش پذیر تھیں، 12% خواتین کے گھر نیم بنتے تھے جبکہ 15% خواتین کچے گھروں میں رہائش پذیر تھیں۔ جواب دہنده خواتین میں سے 65% اپنے گھروں میں رہائش پذیر تھیں جبکہ 27% خواتین کرایہ کے گھروں میں مقیم تھیں۔ 62% خواتین ایک یادوگروں پر مشتمل گھروں میں رہ رہی تھیں۔ 60% جواب دہنده خواتین کے خاندان 5 سے 10 افراد پر مشتمل تھے۔ 10% خواتین کے افراد خانہ 10 سے 13 کے درمیان تھے۔ صرف 16% خواتین تین کمروں کے گھروں میں رہائش پذیر تھیں جبکہ ایک فیصد خواتین کے گھر 7 کمروں پر مشتمل تھے۔

67% جواب دہنده خواتین کے ہاں فلش سسٹم لیٹرین تھی، 21% کے ہاں ڈھکنے والے یا کھلی لیٹرین زیر استعمال تھی جبکہ 11% خواتین کے ہاں یہ سہولت بالکل موجود نہیں تھی۔

معاشری صورت حال

جواب دہنده خواتین میں سے 29% خواتین کے خاندانوں کی ماہانہ آمدنی /12000 سے 25000 روپے کے درمیان تھی۔ 14% خواتین کے خاندانوں کی ماہانہ آمدنی 25000 روپے سے زائد تھی۔ 20% خواتین کی ماہانہ آمدنی سرکاری طرف سے مقرر کردہ کم از کم تنخواہ /7000 روپے ماہانہ سے کم تھی۔

تین چوتھائی جواب دہنده خواتین بچت نہیں کر پاتیں۔ 25% خواتین کچھ پس انداز کر لیتی تھیں جن میں سے 15% خواتین ماہانہ بیاند پر /2000 روپوں کے قریب بچت کر رہی تھیں جبکہ /20,000 روپے ماہانہ بچت کرنے والی صرف ایک فیصد خواتین تھیں۔ 38 سے 41% جواب دہنده خواتین یا ان کے خاندان قرض کے بوجھنے دبے ہوئے تھے۔ 5% خواتین کچھ بچانے کی سکت نہیں رکھتی تھیں۔

صحت عامہ

41% خواتین کو زچگی سے قبل طبی نگہداشت کی سہولت میسر رہی، 34% خواتین اس سہولت سے محروم رہیں جبکہ 25% نے اس سوال کا جواب نہیں دیا (22% جواب دہنده خواتین غیر شادی شدہ تھیں) زچگی سے قبل طبی نگہداشت کی سہولت نہ پانے والی 29% خواتین نے بتایا کہ اس کی وجہ خاندانی رکاوٹ نہیں تھی جبکہ 4% خواتین نے اس کی معاشری وجوہات کا ذکر کیا اور 7% خواتین کو طبی سہولیات کی عدم دستیابی کے باعث زچگی سے قبل طبی نگہداشت نہیں ملی۔

صحت کے ٹھمن میں 38% جواب دہنده خواتین کی ترجیح پرائیویٹ کلینک تھے۔ علاوہ ازیں اتنی ہی شرح (30%) سے خواتین نے پرائیویٹ ہسپتال جانے کا بتایا۔ جبکہ دیگر 31% خواتین سرکاری ہسپتال سے رجوع کرتی ہیں۔ صرف 10% خواتین بنیادی مرکز صحت سے مستفید ہو رہی تھیں۔

شہری اور سیاسی شرکت

79٪ جواب دہنده خواتین کے پاس کمپیوٹر ائز ڈشاپنٹی کارڈ تھا۔ 74٪ خواتین رجسٹرڈ ووٹر تھیں جن میں سے 65٪ نے حق رائے دہی بھی استعمال کیا تھا۔ بہت کم جواب دہنده خواتین (صرف 5٪) سیاسی جماعتوں کی رکن تھیں 69٪ خواتین نے جواب دیا کہ وہ کسی جماعت کی رکن نہیں ہیں اور 26٪ خواتین نے کوئی جواب نہیں دیا۔ سیاسی جماعت کی رکن خواتین میں سے صرف ایک فیصد خواتین پارٹی میں کسی عہدہ پر فائز تھیں، 2٪ نمائندہ اور 3٪ کی رکن تھیں۔ ان میں سے 18٪ کو فیصلہ سازی کے عمل میں کبھی شریک نہیں کیا گیا تھا۔ صرف 4٪ خواتین کو فیصلہ سازی میں شرکت کا موقع ملا تھا۔ 69٪ خواتین نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس شرح پر غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ ووٹ کا سٹ کرنے کے علاوہ سیاسی پارٹیوں میں شریک ہو کر سیاسی کردار ادا کرنے کے معاملہ میں پاکستان کی دو بڑی مذہبی اقلیتیں (ہندو اور مُسْتَحی) تعالیٰ بہت پس مندہ ہیں۔

سماجی ماحول

55 فیصد جواب دہنده خواتین کے مطابق انہیں اپنے ماحول میں امتیاز کا سامنا نہیں تھا تاہم 38٪ خواتین کو تعصّب و امتیاز کی چکلی میں پسنا پڑ رہا تھا۔ بہتر ماحول میں زندگی برکرنے والی خواتین میں سے 42٪ نے بتایا کہ اکثریتی برادری کے اُن کے ساتھ دوستانہ علاقات یہیں، 34٪ کے مطابق وہ مددگار تھے جبکہ 15٪ کے مطابق وہ تعاون کرنے والے تھے۔ تاہم 62٪ جواب دہنده خواتین کے خیال میں مذہبی تنازعہ اٹھ کھڑا ہونے کی صورت میں اکثریتی برادری کے لوگ اُن کی حمایت نہیں کریں گے جبکہ 27٪ خواتین کے مطابق وہ اُن کا ساتھ دیں گے۔

”مذہبی تنازعہ کی صورت اکثریتی برادری کے لوگ ہمارا ساتھ دیں گے“ یہ خیال ظاہر کرنے والی 27٪ خواتین کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا کہ اکثریتی برادری کے افراد (اُن کے ہمسائے وغیرہ) اُن کا ساتھ کس صورت میں دیں گے۔

جواب دہنده خواتین کی اکثریت 76٪ نوکری پیشہ یا مزدوری (24٪ گھریلو خواتین) سے وابستہ تھی جن میں سے 30٪ کے مطابق انہیں مقام کارپُر جنسی ہر اس اکیا گیا تھا جبکہ 27٪ کا جواب نفی میں تھا۔ 43٪ خواتین نے اس سوال کا کوئی جواب نہیں دیا۔

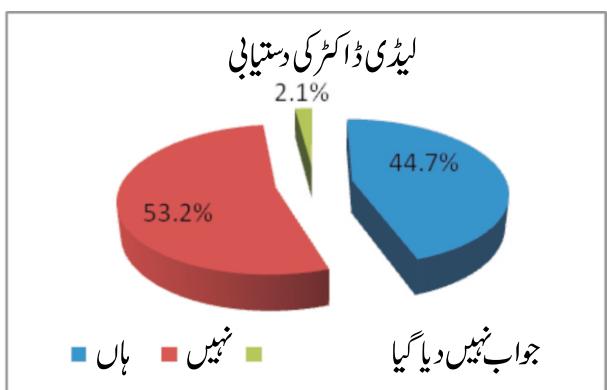
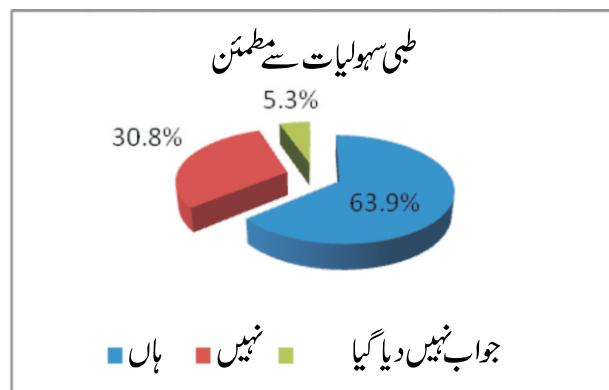
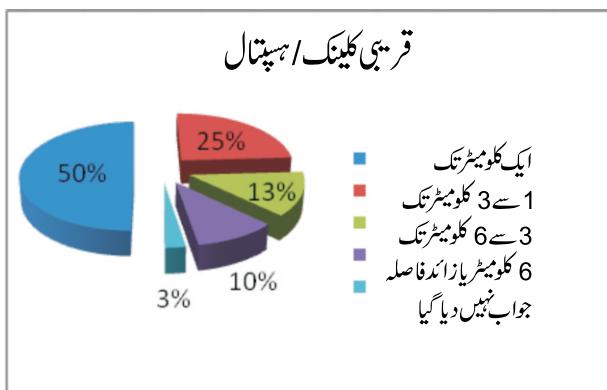
14٪ جواب دہنده خواتین کو اقلیتی خواتین کے اخواکے واقعات، 8٪ خواتین کو جرمی تبدیلی مذہب کے واقعات اور 3٪ خواتین کو اقلیتی خواتین کی تجارت کے واقعات کے بارے ذائقی طور پر علم تھا۔

4.4 سروے کی تفصیلی معلومات

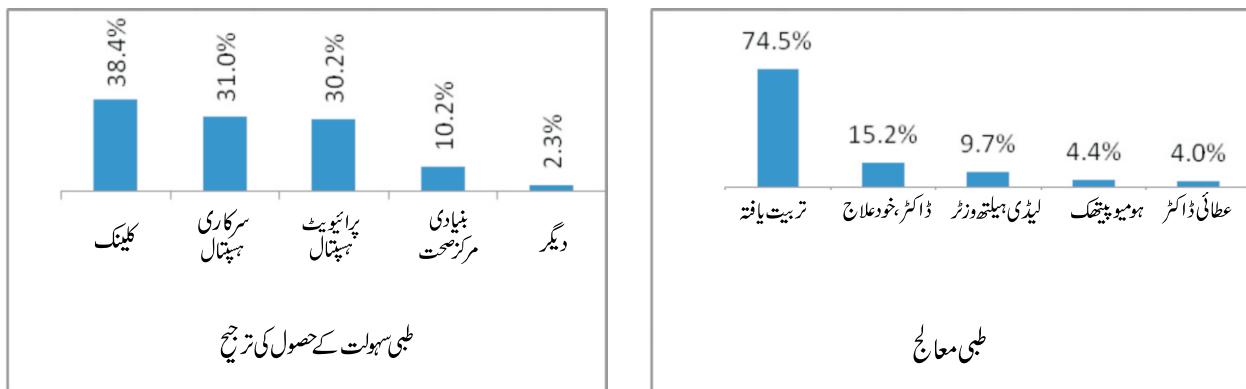
4.4-1 صحت

صحت: صحت کی سہولیات تک رسائی و دستیابی

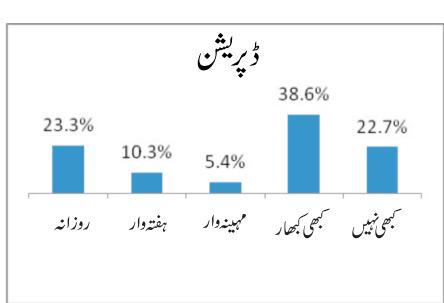
70٪ جواب دہنہ خواتین شہروں میں رہائش پذیر تھیں چنانچہ 50٪ خواتین کے گھر سے 1 کلومیٹر کے فاصلے پر کلینک یا ہسپتال موجود تھا۔ 25٪ خواتین ہسپتال یا کلینک سے 1 سے 3 کلومیٹر کے فاصلے پر رہائش پذیر تھیں۔ جواب دہنہ خواتین میں سے 10٪ خواتین کے گھر کلینک یا ہسپتال سے 6 یا اس سے زیادہ کلومیٹر کے فاصلے پر تھے۔ اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ شہروں میں پرائیویٹ کلینک کام کر رہے ہیں (اس سے قطع نظر کہ وہ معیاری سہولیات فراہم کرتے ہیں یا نہیں)۔ جواب دہنہ خواتین میں سے 64٪ صحت کی دستیاب سہولیات کے بارے ثبت رائے رکھتی تھیں اور مطمئن تھیں جبکہ 31٪ خواتین نے عدم اطمینان کا اظہار کیا۔ ممکن ہے یہ 31٪ خواتین سرکاری ہسپتاں سے مستفید ہونے والے گروہ سے ہوں۔



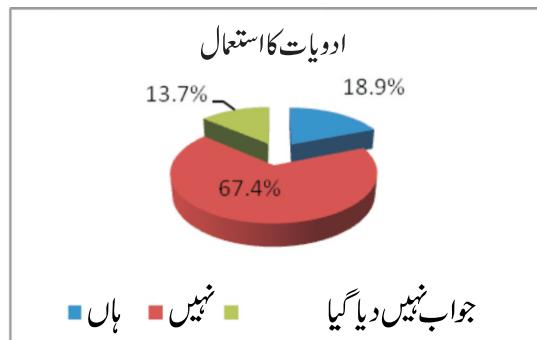
معیاری طبی سہولت کے حصول کے لیے 38٪ جواب دہنہ خواتین کے مطابق وہ پرائیوٹ کلینک کو ترجیح دیتی ہیں۔ جبکہ اتنی ہی شرح (30٪) میں خواتین پرائیوٹ ہسپتال کا رخ کرتی ہیں۔ 31٪ صد خواتین سرکاری ہسپتاں سے رجوع کرتی ہیں۔ صرف 10٪ خواتین بنیادی مرکزِ صحت جاتی ہیں۔ شاید ان کی رسائی صرف بنیادی مرکزِ صحت تک ہی ہے۔ بنیادی مرکزِ صحت حکومتی ڈھانچے کا حصہ ہیں۔ اعداد و شمار کے مطابق 68٪ خواتین سرکاری ہسپتاں کی بجائے نسبتاً بہتر سہولت حاصل کرنے کے لیے پرائیوٹ ہسپتاں کا رخ کرتی ہیں جبکہ 41٪ خواتین کے پاس سرکاری ہسپتاں سے استفادہ کرنے کے علاوہ کوئی دوسرا چارہ نہیں ہوتا۔



ترجیحات کچھ بھی ہوں 75% جواب دہنہ خواتین تربیت یافتہ ڈاکٹر کے پاس جاتی ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ انہیں اپنی صحت کے مسائل سے آگاہی ہے اور کسی تربیت یافتہ ڈاکٹر سے رجوع کرنے کی اہمیت کا بھی علم ہے۔ 10% خواتین لیڈی ہیلتھ ورکر سے رجوع کرتی ہیں۔ شاید دیہات میں بنیادی مرکز صحت اور لیڈی ہیلتھ ورکر تک رسائی آسان ترین سہولت ہے۔ تربیت یافتہ ڈاکٹر سے رجوع کرنے والی 75% خواتین میں سے صرف 45 فیصد خواتین کے رہائشی علاقہ میں لیڈی ڈاکٹر موجود تھی جبکہ 53% لیڈی ڈاکٹر کی مشاورت سے محروم تھیں۔



گوپاکستان میں خواتین میں ڈپریشن کے عارضہ کی شرح خاصی بلند ہے تاہم جواب دہنہ خواتین میں سے 5% خواتین نے ڈپریشن کی شکایت کی۔ عموماً لوگوں کی اکثریت ڈپریشن کی صورت میں ڈاکٹر سے مشورہ لینے سے گریز کرتی ہے جس کا سبب معاشرہ میں ڈپریشن ہونے کو باعث رسوائی و بدنا می سمجھا جاتا ہے۔ ڈپریشن کا شکار 19% خواتین نے اس کے حل کے لیے ادویات/نشہ استعمال کرنے کا بتایا جبکہ اکثریت 67% کچھ نہیں لے رہی تھیں۔ ادویات یا نشہ کا استعمال کرنے والی خواتین میں سے 8 فیصد اپنی ڈپریشن ادویات کا استعمال کرتی ہیں۔ 8 فیصد نیند کی گولیاں استعمال کرتی ہیں جبکہ دیگر 78% ادویات استعمال کرتی ہیں۔

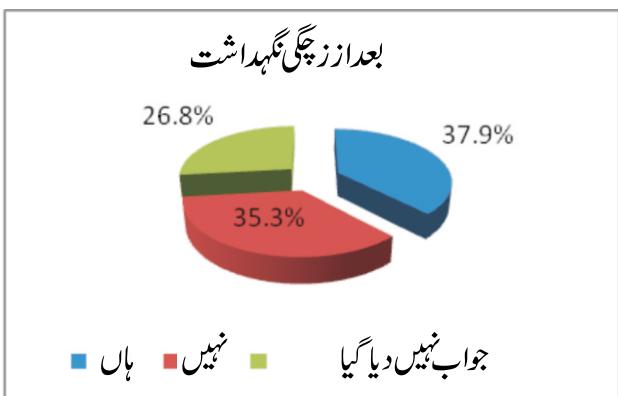


حمل

جواب دہنده خواتین میں سے 41% کو زچگی سے قبل طبی امدادی، 34% اس سہولت سے محروم رہیں جبکہ 25% (بشوں 22% غیر شادی شدہ خواتین) نے اس سوال کا مطلق جواب نہیں دیا۔ گویا شادی شدہ خواتین میں سے 52% کو زچگی سے قبل طبی امدادی تھی۔ جبکہ خاندانی بندشوں کے باعث قبل از زچگی طبی سہولت نہ پانے والی خواتین صرف 4 فیصد تھیں۔

مالی وسائل کی عدم دستیابی کے باعث 29% خواتین دورانِ حمل طبی سہولت سے محروم رہیں جبکہ 7 فیصد خواتین طبی سہولیات نہ ہونے کے باعث طبی معافی نہیں کروائیں۔ 60% جواب دہنده خواتین نے زچگی سے قبل طبی امداد نہ ملنے کی کوئی وجہ بیان نہیں کی۔

سرودے کے مطابق بعد از زچگی طبی امداد وصول کرنے والی خواتین کی شرح 38% تھی جو زچگی سے قبل طبی امداد وصول کرنے والی خواتین کی نسبت کم تھی۔ زچگی کے بعد مام کی صحت کے بارے خود مام پر چھوٹ دیا جاتا ہے۔ 35% خواتین نے زچگی کے بعد کوئی امداد نہیں پائی۔



34% خواتین کو ڈاکٹر تک رسائی تھی تاہم اکثریت 38% مددوائف کے پاس جاتی ہیں۔ دیگر 7% خواتین لیڈی ہیلٹھ وزٹر کے ہاں جاتی ہیں جبکہ 20% نے کوئی جواب نہیں دیا۔ خواتین کی اکثریت (58%) کی زچگی بسپتال میں ہوئی جبکہ 45% خواتین کی زچگی گھروں میں عمل میں آئی۔ 37% خواتین نے بتایا کہ انہیں زچگی کے دوران پچیدگی کا سامنا کرنا پڑا جبکہ 34% خواتین کو کوئی مشکل پیش نہیں آئی۔ 30% خواتین نے کوئی جواب نہیں دیا۔

زچگی کے دوران مسائل کا شکار ہونے والی 37% خواتین کو پیش آنے والے مسائل میں کمزور بچہ کا پیدا ہونا (19%) استقلاط حمل (10%) اور بچہ کا فوت ہونا (6%) تھا۔



4.4-2 پانی، صفائی اور حفاظان صحت

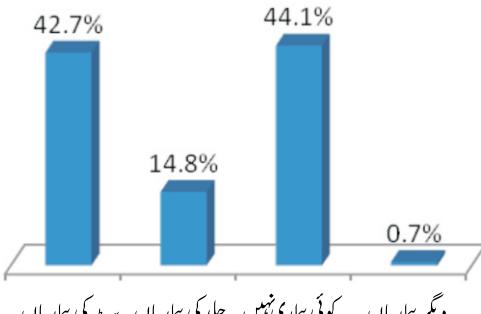
چونکہ جواب دہنڈگان کی بڑی تعداد کا تعلق شہروں سے تھا لہذا 61% خواتین کے ہاں واٹر سپلائی سسٹم تھا۔ جبکہ 32% خواتین وستی نسلکے کا پانی استعمال کر رہی تھیں یہ دونوں مل کر 93% بنی ہیں۔ باقی 7 فیصد خواتین پینے کے لیے کھلے کنوں، جو ہر یا نہ کا پانی استعمال کر رہی تھیں۔

پانی کے معیار کی جانش کے لئے جواب دہنڈہ خواتین سے پینے کے پانی کے باعث بیماریوں کے بارے سوال پوچھے گئے۔ 44 فیصد خواتین کے نزدیک پانی اچھا تھا۔ انہوں نے کسی مسئلہ بیماری میں مبتلا ہونے کا انظہار نہیں کیا۔ تاہم 58% خواتین نے پانی کے باعث بیمار ہونے کی شکایت کی جن میں سے 43% نے پیٹ کی بیماری کا ذکر کیا جبکہ دیگر 15% نے جلدی بیماری کا بتایا۔

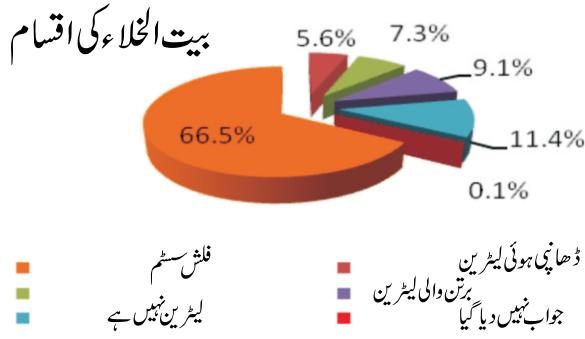
پانی کے ذرائع



آلووہ پانی کے باعث بیماریاں



بیت الخلاء کی اقسام

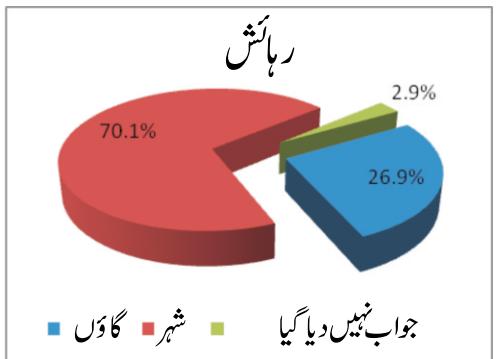


صفائی کی سہولیات

صفائی (Sanitation) کی سہولت کے بارے حاصل شدہ معلومات پر بھی شہر میں رہنے والوں کو دستیاب سہولت کا اثر نمایاں تھا چنانچہ 67% خواتین کے گھروں میں لیٹرین کے لیے فلش سسٹم تھا، 21% فیصد خواتین کے ہاں ڈھلنے والی یا کھلی لیٹرین زیر استعمال تھی جبکہ 11% خواتین کے ہاں یہ سہولت دستیاب نہیں تھی۔ متنزکرہ اعداد و شمار سے جواب دہنڈہ خواتین کی بیانیادی دستیاب نہیں تھی۔

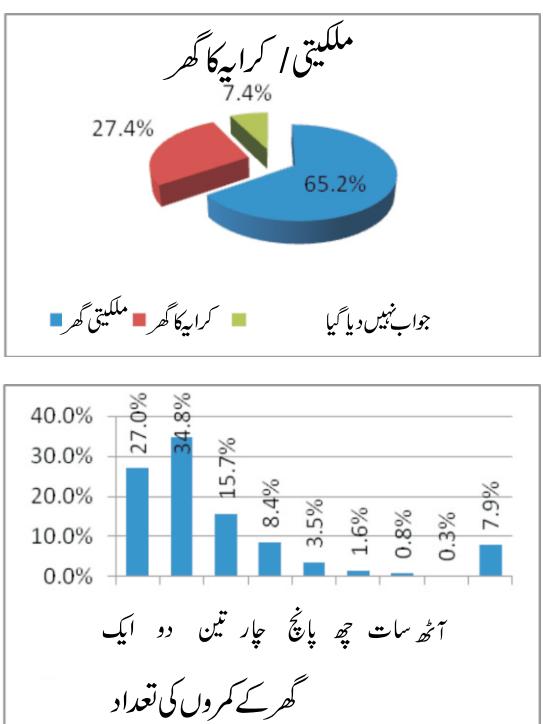
سہولیات سے محروم نمایاں ہے۔ یہ مسئلہ عمومی طور پر پاکستانی عوام کو درپیش ہے چنانچہ اقلیتی برادری بھی اس کا شکار ہے۔

4.4-3 سماجی و معاشری حالت



جواب دہنہ خواتین کی اکثریت (70%) کا تعلق شہروں سے جبکہ 27% خواتین کا تعلق دیہات سے تھا۔ حالیہ سالوں میں بالخصوص بڑے شہروں مثلاً گوجرانوالہ، لاہور اور اولینڈی کی جانب مسیحی برادری کا نقل مکانی کرنے کا راجحان دیکھنے میں آیا ہے۔ لاہور شہر میں مسیحیوں کی تعداد بہت سرعت سے بڑھتے ہوئے دس لاکھ یا تقریباً 10% تک پہنچ چکی ہے۔ بعض تجزیہ کاروں کا خیال ہے کہ بڑے شہر میں شہروں کی جانب مسیحیوں کی نقل مکانی کی وجہ روزگار کی دستیابی کے علاوہ یہ بھی ہے کہ بڑے شہر میں انہیں سماجی تعصب اور معاشری نا انصافی کا نسبتاً کم سامنا ہوتا ہے۔ شہری جواب دہنگان کے زیادہ تناسب کی وجہ یہ بھی ہوگی کہ سروے کنندگان کو بڑے شہروں میں جواب دہنہ خواتین تک رسائی آسان تھی۔

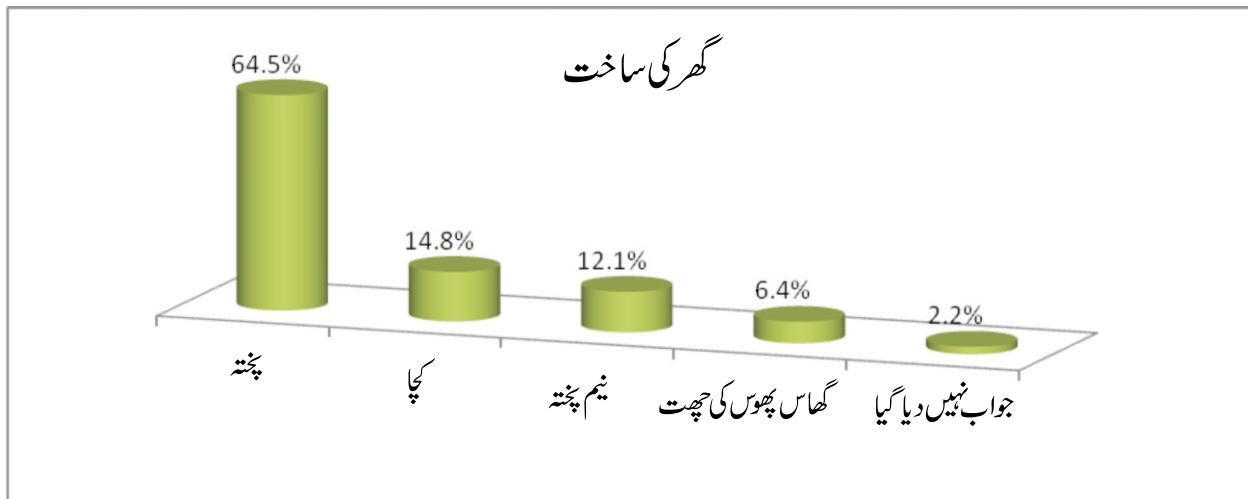
گھر کی ساخت



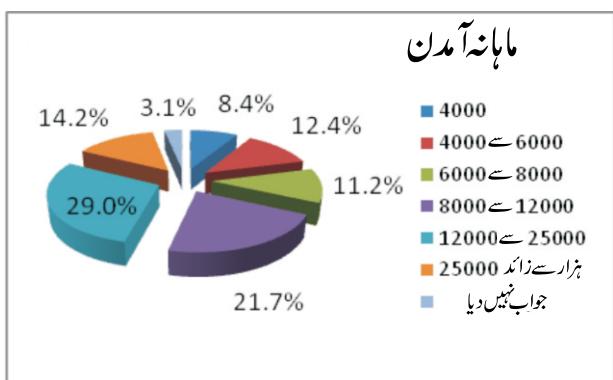
جواب دہنہ خواتین کی اکثریت چونکہ شہروں میں رہائش پذیر ہے چنانچہ 65% خواتین کے گھر پختہ ایٹھوں سے تعمیر کئے گئے تھے۔ 12% خواتین نیم پختہ گھروں میں رہائش پذیر تھیں جبکہ 15% خواتین کے گھر کچے تھے۔ 65 فی صد خواتین کے اپنے ذاتی گھر تھے جبکہ 27% خواتین کرایا کے گھروں میں مقیم تھیں۔ 62% خواتین ایک یادو کروں پر مشتمل گھروں میں رہائش پذیر تھیں۔ 60% خواتین کے افراد خانہ کی تعداد 5 سے 10 تھی جبکہ 10% خواتین کے افراد خانہ کی تعداد 10 سے 13 کے درمیان تھی۔ صرف 16% خواتین تین کروں پر مشتمل گھروں میں رہائش پذیر تھیں جبکہ صرف 1% خواتین کے گھر سات کروں پر مشتمل تھے۔ 60% خواتین کے گھر تین کروں پر مشتمل تھے۔ ان اعداد و شمار سے اس امر کی وضاحت ہوتی ہے کہ گو خواتین کی اکثریت اپنے ذاتی گھروں میں رہائش پذیر تھی تو بھی انہیں زیادہ آمدی حاصل کرنے والے طبقہ میں شامل نہیں کیا جاسکتا بلکہ یہ خاندان متوسط طبقے کی چلی پرت کی صفت میں آتے ہیں۔

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (HRCP) کی رپورٹ (2009) کے مطابق اقلیتی برادری کے 80 فی صد افراد غربت کی لیکر سے نیچے یا کم ترین آمدی کے گروہ میں شامل ہیں۔ علاوہ ازیں 65 فی صد خواتین جو اپنے ذاتی گھروں میں رہائش پذیر تھیں ان میں سے 57 فی صد ان گھروں میں 11 سے 60 سال میں مقیم

تھیں۔ چنانچہ کراپی، لاڑکانہ، سکھر، راولپنڈی اور لاہور سے جواب دہندہ خواتین دیہات یا چھوٹے شہروں سے نووار نہیں تھیں۔

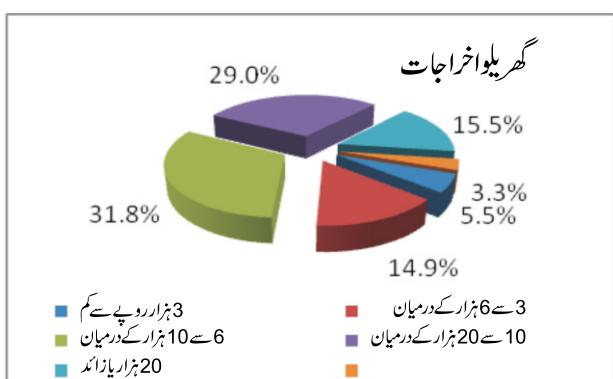


ماہانہ آمدنی

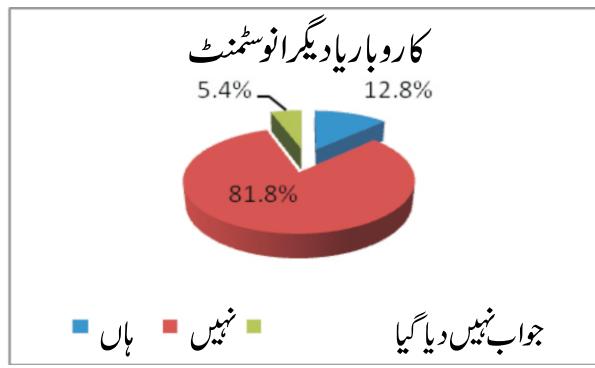
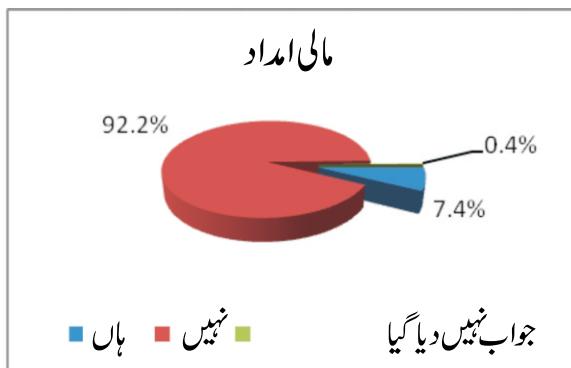


29% جواب دہندہ خواتین کی ماہانہ آمدنی (بشرط تمام افراد خانہ) 12 ہزار سے 25 ہزار روپے تک تھی۔ 14% کی آمدنی 25 ہزار روپے سے زائد تھی۔ 20% کی آمدنی سرکاری مقررہ کردہ 7 ہزار روپے ماہانہ سے کم تھی۔ تاہم گھر یا خراجات کے موازنہ (سروے کے مطابق) کے ضمن میں 4000 روپے ماہانہ سے کم آمدنی والی خواتین نے اپنے خراجات 3000 روپے سے کم رکھتے تھے (جانے یہ کیسے ممکن ہوا)۔ بہرحال 20,000 روپے یا اس سے زائد ماہانہ آمدنی والے خاندانوں کا حال

قدرتے ہتھا۔ یہاں یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ وہ خواتین جن کے گھروں کی آمدنی 3000 روپے ماہانہ کے قریب ہے نہایت کمپرسی کی حالت میں زندگی پر کر رہی ہوں گی (باخصوص اگر انہیں کھانے پینے کے علاوہ گھر کا کرایہ، بجلی اور گیس کے بل بھی ادا کرنے ہوں)۔ ایسی صورت میں خاتون خاندان کی کفیل ہوتی بڑھتی ہوئی مہنگائی کے دور میں گزرواوقات ناممکن دکھائی دیتی ہے۔



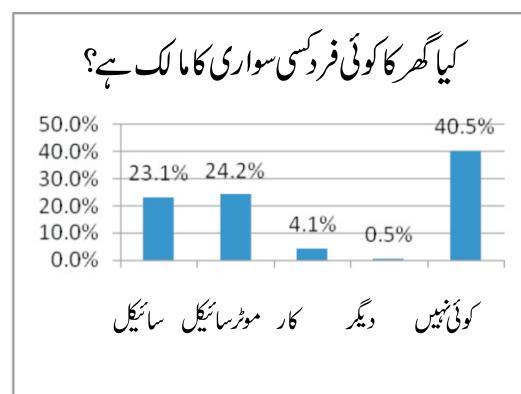
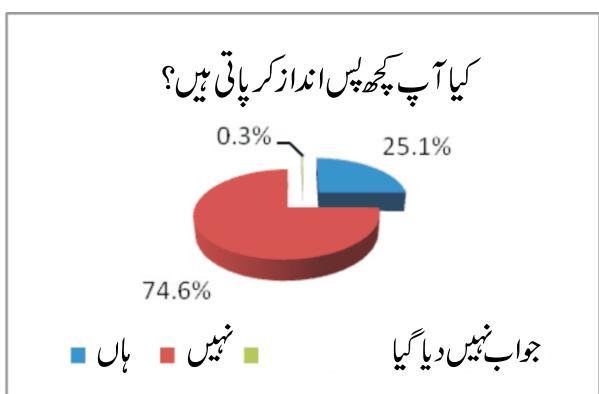
بُلٹمنٹ سے خواتین کی ایک بڑی تعداد (82%) کے پاس زائد اضافی آمد فی کے (کاروبار یا دیگر) لیے ذرا لگ موجوں نہیں تھے۔ چنانچہ انہیں اپنی ماہانہ آمد فی پر ہی گزر بس رکنا پڑ رہا تھا۔ صرف 7% جواب دہنڈہ خواتین نے سرکاری امداد و صول کی تھی جن میں سے 1 فیصد کو یہ فائدہ 6 یا زائد بار حاصل ہوا۔ جبکہ 2 فیصد کو یہ امداد صرف ایک بار ملی۔



بچت

جواب دہنڈہ خواتین کی (75%) تین چوتھائی کچھ بچت کرنے کی پوزیشن میں نہیں۔ صرف 25% خواتین کچھ پس انداز کر پاتی تھیں جن میں سے 15 فیصد خواتین ماہانہ کی بنیاد پر بچت کر پار ہی تھیں۔ تا ہم 2000 روپے سے کم اور 20,000 روپے سے زائد بچت کرنے والی خواتین صرف 1 فیصد تھیں۔ 75% خواتین کچھ بچا نہیں پاتیں جس سے عیاں ہے کہ وہ بکشکل اپنے گھر کا خرچہ چلا رہی تھیں۔ چنانچہ معاشی تحفظ سے محروم ایسی خواتین کے ہاں اچانک بیماری وغیرہ کی صورت میں کچھ نہیں ہوتا۔

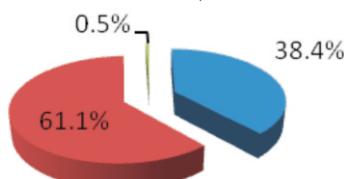
جواب دہنڈہ خواتین میں سے ایک چوتھائی کے گھروں میں کوئی نہ کوئی فرد موٹرسائیکل کی ملکیت رکھتا تھا جو اوسط درجے کے خاندان کی علامت ہے۔ صرف 4 فیصد خواتین کے خاندان کا رکے مالک تھے۔ جبکہ 23% خواتین کے پاس بائی سائیکل تھا۔ تا ہم خواتین کی ایک خاطر خواہ تعداد (41 فیصد) کے پاس ان میں سے کوئی ایک سواری بھی نہیں تھی۔ گویا جواب دہنڈہ خواتین عمومی طور پر معاشی طور پر آسودہ نہیں۔



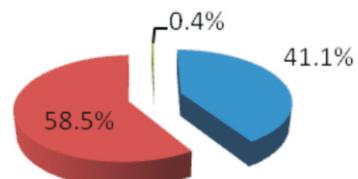
قرض

باد وجود کہ 75% فیصد خواتین کی سکت نہیں کچھ بچانے کے ضمن میں 61% جواب دہنده خواتین کا کہنا تھا کہ ان کے ذمہ کوئی قرض نہیں ہے۔ تاہم اس سے قطعاً یہ تجھے اخذ نہیں کیا جاسکتا کہ یہ خواتین آسودہ حال ہیں بالخصوص ایسی صورت میں کہ جب 70% خواتین کے خاندان 5 سے 12 کے درمیان افراد پر مشتمل تھے۔ خاندان کے مردار کان کی جانب سے قرض لینے کی شرح جواب دہنده خواتین کی نسبت زیاد تھی۔ 38% خواتین نے خود قرض لیا تھا جب کہ 41% خواتین کے خاندان کے افراد نے قرض لے رکھا تھا۔ 59% خواتین کے ذمہ کسی قسم کا قرض نہیں تھا۔ قرض لینے والی خواتین میں میں سے 3% نیصد کے ذمہ ایک سے دو لاکھ یا اس سے زائد تھا۔ حیرت انگیز طور پر 57% خواتین نے اس ضمن میں کوئی تفصیل بتانے سے گریز کیا۔ گو قرض لینا ایک عام معمول ہے تاہم قرض لینے کو اچھی نظر سے دیکھا نہیں جاتا۔

قرض جو جواب دہنده خواتین نے لیا



قرض جو خاندان نے لیا



قرض حاصل کرنے والی خواتین کی اکثریت (12%) نے 15000 روپے سے 25000 روپے تک کا قرض لے رکھا تھا۔ یہ رقم لوگ غالباً اپنی روزمرہ ضروریات مثلاً بچے کی بیماری کی صورت، فیس کی ادائیگی وغیرہ کے لئے لیتے ہیں۔ بیہاں یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں کہ سی خاتون نے اپنے پڑوس، دوست یار شدہ دار سے قرض نہیں لیا تھا۔ غالباً پڑوسی اور دوست احباب اسی آمدی والے طبقہ سے تعلق رکھتے تھے یا ان کی مالی حالت خاتون سے بھی گئی گزری تھی کہ قرض دے سکتے جس کے

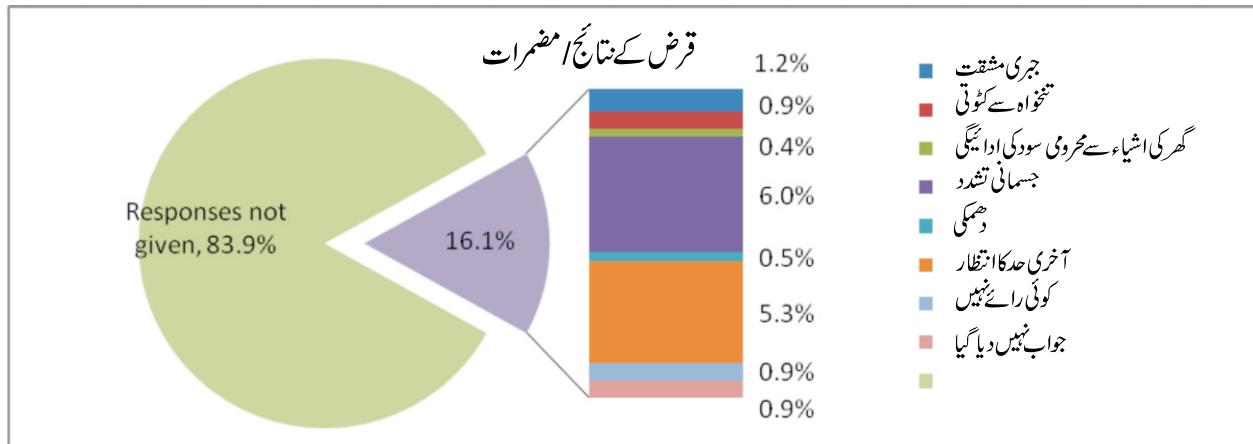
قرض کی تفصیل



قرض کے ذرائع



باعث خاتون اُن سے قرض مانگنے سے بھی کرتا تھا۔ 18 فیصد خواتین نے بینک سے قرض لیا تھا (جس کے لیے صنانٹ بھی دینی پڑتی ہے) اور 17 فیصد نے اپنے آجر جبکہ 9% نے کسی ادارے سے قرض لے رکھا تھا۔



قرض کی ادا نیگی کے معاملہ میں ایک رائے عامہ بننا ہوا ہے چنانچہ 28% نے بتایا کہ وہ اپنا قرض واپس کرتی ہیں جبکہ 14% نے فی میں جواب دیا۔ اگر بینک سے قرض لیا گیا ہو تو عدم عدا نیگی پر اُس کے نتائج بھگنا پڑتے ہیں۔ اگر یہ قرض اپنے آجر یا ادارہ سے حاصل کیا گیا ہو تو اسی صورت میں انہیں ملازمت سے بھی ہاتھ دھونا پڑ سکتا ہے اور یہ رویہ اُن کے خاندان کی پریشانیوں میں مزید اضافہ کا باعث بن سکتا ہے۔ صرف 5% خواتین نے قرض ادا نہ کرنے کی صورت میں زبانی دھمکیوں اور جسمانی تشدد کے اندر یہی کا اظہار کیا۔

4.4-4 تعلیم

47% جواب دہنده خواتین تعلیم یافتہ تھیں۔ 10 سال سے زائد کی عمر کے لحاظ سے پاکستان میں عام خواتین کی خواندگی کی شرح 45.2% ہے۔ دوسری طرف جواب دہنده خواتین کی اکثریت کا تعلق شہروں سے تھا جہاں خواتین کی خواندگی کی شرح مردوں کی شرح 80% کے مقابلہ میں 65.5% ہے۔ صرف 9% خواتین گریجویٹ تھیں جبکہ 5 فی صد ماڈریٹ گری تک تعلیم یافتہ تھیں اور 1000 جواب دہنده خواتین میں سے صرف چاروں گھر تھیں۔ جواب دہنده خواتین میں سے 32% میٹر کے اس سے زیادہ تعلیم یافتہ تھیں۔ نصف سے زیادہ خواتین ناخواندہ ہوں تو ظاہر ہے چلی سطح کی نوکریاں ہی ان کی قسمت میں ہوں گی۔ چنانچہ اپنے حقوق سے نا آشنا ہونے کے علاوہ وہ معاشری عدم احترام و بدحالی کا شکار ہوتی ہیں۔

1998ء کی افراد شماری کے مطابق جب پاکستان میں خواندگی کی شرح 45% تھی تو اقلیتوں کی خواندگی کی شرح اس سے کم تھی۔ مسیحیوں میں خواندگی کی شرح 34% ہندوؤں کی تقریباً 19%، شیعیوں کا سٹ برادری کی 17% اور پارسی، سکھ، بدھ مت اور خانہ بدوشوں کی 23% تھی۔ احمدی برادری میں شرح خواندگی 52% تھی۔³²

حالیہ سروے جات کے مطابق 10 میں سے 9 شیعیوں کا سٹ (87%) خواتین ناخواندہ تھیں جبکہ اسی برادری کے 63.5% مرد ناخواندہ تھے۔ پرانمری سکول میں

32۔ پاکستان اکنام سروے رپورٹ 2010-2011 (www.finance.gov.pk/survey 6-9-11)

33۔ جائزہ انسانی حقوق 2003-2002 صفحہ 44

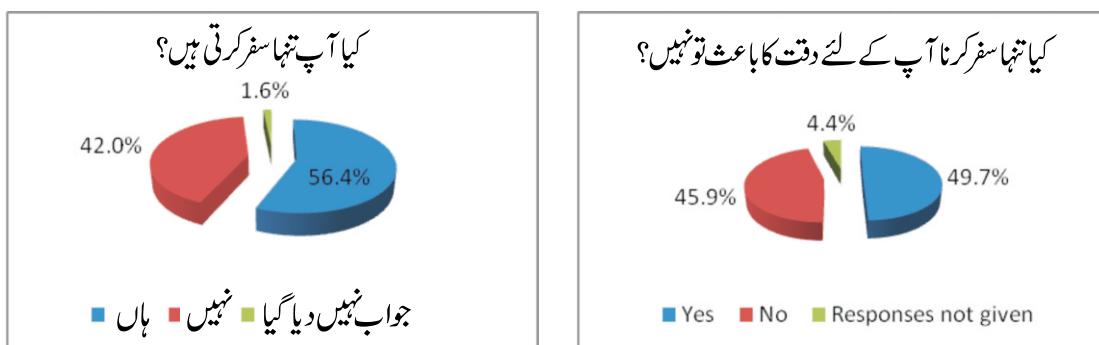
داخلہ کے ضمن میں شیڈیوں کا سٹ کی خواتین 40 بواں کی تعداد پر چھپے ہیں۔ ان کی محض 10% بچیاں سکول میں داخل ہوتی ہیں۔ اس کے مقابلے میں پرانی سکول میں خواتین کے داخلے کی تعداد 48% ہے۔ مذکورہ اعداد و شمار حصول علم کے لئے مستیاب موقع کے ضمن میں اقلیتی برادری کی خواتین کی محرومی کا بیان ہے۔³⁴

4.4-5 خود مختاری

79% جواب دہنہ خواتین کے پاس کمپیوٹر اور ڈشناختی کا رہ تھا۔ گویا یہ خواتین سفر کر سکتی ہیں، بینک میں اکاؤنٹ کھلاؤ سکتی ہیں اور سرکاری امداد کی سیکیوریٹی سے مستفید ہو سکتیں ہیں تاہم اس سے مراد نہیں کہ وہ ان سہولیات سے مستفید ہو رہی ہیں۔ جواب دہنہ خواتین میں سے صرف 11% (1%) کی عمر 18 سال سے کم تھی۔ جبکہ 77 خواتین (8%) نے شناختی کا رہ کے حصول کے لیے درخواست ہی نہیں دی تھی۔ 9% خواتین نے اس سلسلہ میں جواب نہیں دیا جبکہ ایک خاتون نے بتایا کہ اس کو شناختی کا رہ کے لیے درخواست دینے سے منع کیا گیا تھا۔ 2% نے بتایا کہ انہیں شناختی کا رہ بنا نے کی سہولت مستیاب نہیں (شاہد وہ کسی دور دراز علاقہ میں رہائش پذیر تھیں یا وہ اپنے علاقہ میں موبائل یونٹ کی سہولت سے ناقص تھیں)۔

آمد و رفت کے مسائل

نصف سے زائد (56%) جواب دہنہ خواتین تنہا سفر کرتی ہیں جبکہ 42 فیصد نے فیضی میں جواب دیا۔ تنہا سفر نہ کرنے والی خواتین میں سے 15 فیصد نے اس کا بڑا سبب خاندانی پابندیاں بتایا۔ 9% نے بتایا کہ وہ تنہا سفر کے دوران خود کو غیر محفوظ سمجھتی ہیں۔ 1% خواتین جنسی ہراسانی کے خوف کے باعث تنہا سفر کرنے سے گریز کرتی ہیں۔ 1% کو غالباً راستوں کا ہی علم نہیں تھا جبکہ 5% نے کبھی اکیلے سفر نہیں کیا تھا۔ جبکہ خواتین کی ایک بڑی تعداد (67%) نے کوئی سبب بیان کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ تنہا سفر نہ کرنے کا مسئلہ صرف اقلیتی برادری کی خواتین کو ہی درپیش نہیں بلکہ اکثریتی برادری بھی اس کا مشکار ہے۔ سماجی و ثقافتی روایات، خاندانی پابندیاں اور خواتین کا خود کو غیر محفوظ سمجھنے جیسے احساس کی وجہ آزادی اور اعتماد کا فقدان ہے۔



تاہم اکیلے سفر کرنے والی 50% خواتین خود کو محفوظ سمجھتی ہیں دوسرا طرف ایک خاطر خواہ تعداد (46%) نے اسے غیر محفوظ قرار دیا جن میں سے 10% سے 11% خواتین نے اس کی بڑی وجہ خوف اور عدم تحفظ بتایا۔ 65% نے اس بارے میں کوئی جواب نہیں دیا۔ 41 فیصد خواتین ایک جگہ سے دوسرا جگہ جانے کے لئے کسی مرد کی

34 - The Huffington Post میں ریپورٹ کو اپنے (Rebecca Buckwalterpoza) کا لکھا گیا آرٹیکل۔ مصنف ایک محقق (ریپرچ) ہے جو ایشن یونیورسٹی کیشن کے ساتھ کام کر رہی ہیں۔ مندرجہ ذیل ایڈریس پر اُن سے رابط کیا جاسکتا ہے۔ rebecca.buckwalter-poza@ahrc.asia

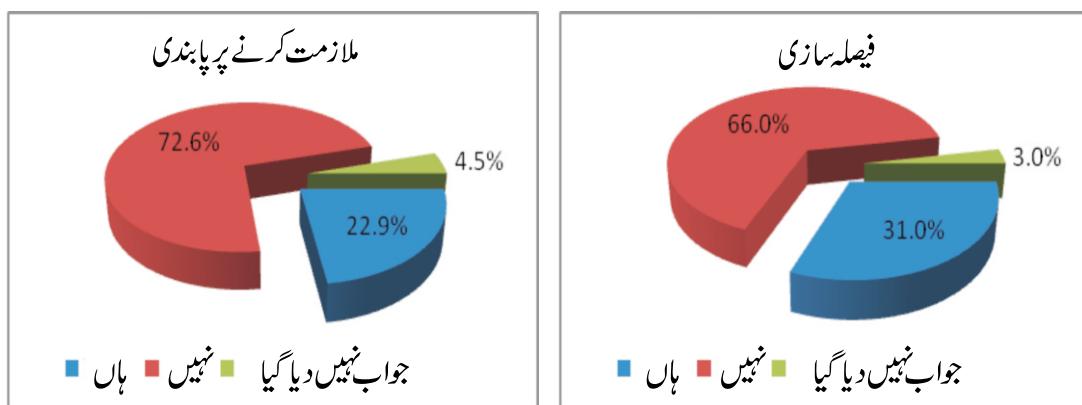
رفاقت کی محتاج تھیں۔ (سماجی و ثقافتی روایات اور قدامت پرست نظام پر بہت زیادہ احصار کرنے والا معاشرہ کی علامت)۔ 75% خواتین نے بتایا کہ وہ اکیلے سفر کرتی ہیں۔

رہائش گاہ سے کسی دوسرے مقام یا شہر وغیرہ جانے کی صورت میں اکیلے سفر کرنے والی خواتین کی شرح مزید کم ہو کر 21% ہو گئی۔ جبکہ 72% خواتین کسی مرد ساتھی کے ہمراہ سفر کرتی ہیں۔ نقل و حرکت کے فاصلہ میں اضافہ کے ساتھ پابندیوں اور عدم تحفظ کے احساس میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ جواب دہنہ خواتین میں سے 93% نے مک سے باہر بھی سفر ہیں کیا۔ جبکہ 7 فیصد کا جواب اثبات میں تھا۔

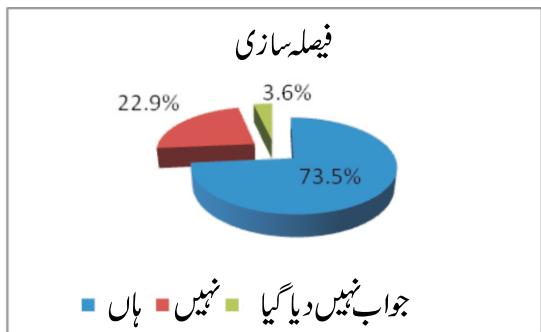
اقیمت خواتین کو دور پیش نقل و حرکت کے مسائل کی جڑیں معاشرے میں عمومی طور پر پائی جانے والی سماجی و ثقافتی روایات سے جڑی ہیں۔ نصف سے زیادہ خواتین اکیلے سفر کرتی ہیں (گوئی نقل و حرکت صرف اپنے شہر یا قصبه تک محدود ہے)۔ جواب دہنہ خواتین بالغ اور معمر تھیں جن میں صرف 21% گھر بیلو خواتین تھیں جبکہ باقی دیگر ملازمت پیشہ تھیں تاہم ملازمت پیشہ خواتین بھی (غیر محفوظ صحیح ہوئے) شہر سے باہر سفر کرتے ہوئے مرد کے ہمراہ سفر کرتی تھیں۔

شریک حیات انتخاب کرنے کا حق اارٹچ میرج میں مرضی کا داخل

مزہبی اقلیتی خواتین جس معاشرے میں زندگی بسر کر رہی ہیں وہ انہیں اپنی پسند (مرضی) کے فرد کے ساتھ نکاح کرنے کا حق دینے میں قدامت پرست ہے۔ یہاں اکثریت 66% کو اپنی پسند کا شریک حیات چننے کی آزادی حاصل نہیں (اور نہ ہی ان کی مرضی کا داخل ہوگا) (یا تھا) ماں باپ کی مرضی سے طے کردہ نکاح کی صورت میں 62% والدین نے بچوں کی مرضی جاننے کی ضرورت محسوس نہیں کی (یا ضرورت محسوس نہیں کریں گے)۔ ایک تہائی خواتین کو شریک حیات کے انتخاب کا حق حاصل تھا یا ان کو ماں باپ کی مرضی کے انتخاب میں اپنی رائے کے اظہار کا حق تھا جبکہ ایک تہائی خواتین ایسی تھیں جو اس حق سے بھی محروم تھیں۔

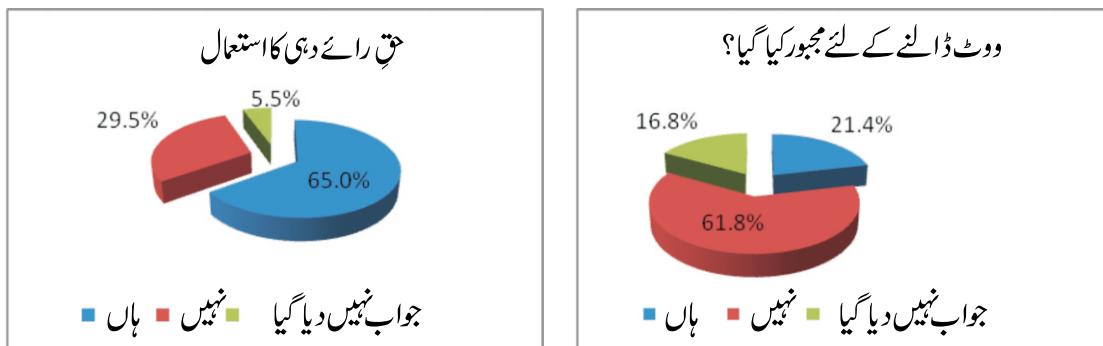


4.4-6 سیاسی شرکت

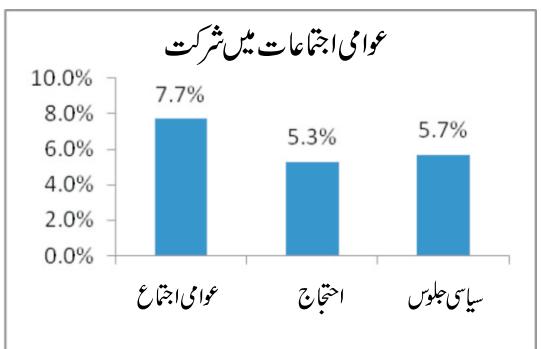


79% جواب دہنده خواتین کے پاس کمپوٹر ائزڈ قومی شناختی کارڈ تھا۔ 74% خواتین رجسٹرڈ ووٹر تھیں جبکہ 65% نے ووٹ کا حق استعمال کیا تھا۔ 19% جواب دہنده خواتین نے 2008ء میں انتخابات کے دوران ووٹ کا استعمال نہیں کیا تھا۔ 30% خواتین کے مطابق انہوں نے ووٹ کا استعمال کبھی نہیں کیا۔ گویا ان خواتین کی سیاسی خواندگی خواتین کی سیاسی عمل میں شرکت کے عمل میں اضافہ کا باعث ہو سکتی ہے۔

62% خواتین کو ان کے خاندانوں کے ذریعے کسی امیدوار کو ووٹ دینے کے لیے کبھی مجبور نہیں کیا گیا تھا، ہم 21% (پانچواں حصہ) خواتین کو کسی خاص امیدوار کو ووٹ دینے کے لیے مجبور کیا گیا تھا۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ووٹ کے استعمال کے حق کے بارے اور ووٹر کی آزادی کے بارے اقلیتی برادریوں میں آگہی کی ضرورت ہے۔



عوامی اجتماعات میں شرکت

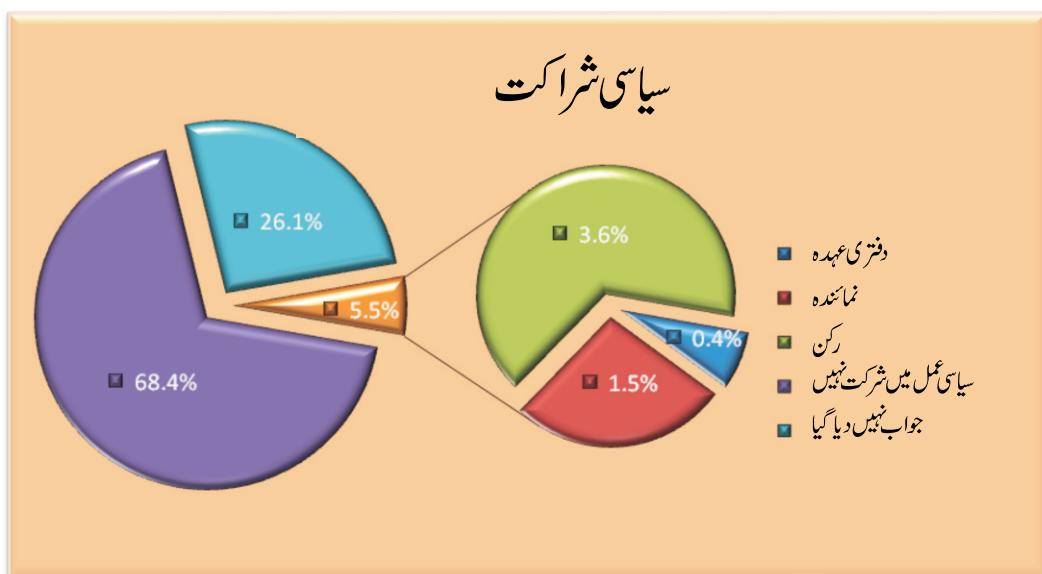


ووٹ ڈالنے کے عمل میں شرکیت ہونے کے تناوب سے قطع نظر صرف 19% اقلیتی خواتین نے عوامی ریلیوں، احتجاج یا سیاسی جلسے میں شرکت کی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ یہ شرح اکثریتی برادری کی خواتین کے مقابلہ میں کم نہ ہوتا ہم اعداد و شمار نہ ہونے کی وجہ سے اس کا موازنہ نہیں کیا جاسکتا۔ خاندانی پابندیوں، عدم آگہی، ایسی سرگرمیوں میں حصہ لینے کے لیے درکار وسائل اور ذرائع سے محرومی یا عدم دلچسپی یا عدم تحفظ کے احساس کے باعث اقلیتی برادریوں کی خواتین کی کم شرکت کی وجوہات ہو سکتی ہیں۔

سیاسی فیصلہ سازی میں شرکت

جواب دہنڈہ خواتین میں سے صرف 5.5% کسی سیاسی جماعت کی رکن تھیں۔ 68% نے نفی میں جواب دیا جبکہ 26% نے کوئی جواب نہیں دیا۔ صرف 0.4% خواتین پارٹی میں کسی عہدہ پر فائز تھیں جبکہ 1% نمائندہ تھیں۔ ان میں سے 18% کو فیصلہ سازی میں شرکت نہیں کیا گیا تھا۔ 4% خواتین فیصلہ سازی میں شرکت نہیں کیا گیا تھا۔ اور 69% خواتین نے اس سوال کا جواب نہیں دیا۔ ان اعداد و شمار کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ پاکستان کی دو بڑی اقلیتوں کی خواتین ووٹ کا سٹ کرنے کے سیاسی عمل میں تو کسی حد تک شرکت نہیں دیا گی۔ اس کے بعد اسی سیاسی جماعتوں کی رکنیت وغیرہ کے معاملات میں بہت پس مندہ ہیں۔

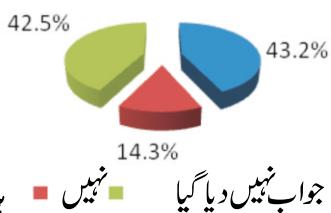
جواب دہنڈہ خواتین کا سیاست کے بارے عمومی خیال تھا۔ 19% نے کوئی جواب نہیں دیا، 29% یا کچھ نہیں جانی تھیں یا ان کا کوئی رِ عمل نہیں تھا، 14% نے جواب دیا کہ سیاست اچھی نہیں ہے، 8% کے مطابق وہ دچپی نہیں رکھتیں جبکہ 10% کے مطابق یہ شعبہ کرپٹ تھا۔ خواتین کی ایک قلیل تعداد 3% سیاست سے مطمئن تھی جبکہ 4% نے جواب دیا کہ جمہوریت اچھی ہے۔ تجھب ہے ایک طرف 65% شرکاء خواتین نے ایک یا ایک سے زائد مرتبہ ووٹ کا حق استعمال کر رکھا تھا۔ اس کے باوجود صرف 7% خواتین نے سیاست کے بارے ثابت رائے کا اظہار کیا۔



4.4-7 تعصب و امتیاز کا سامنا

مذہب کی بنیاد پر امتیاز

آپ یا آپ کے خاندان نے مذہبی امتیاز کا سامنا کیا؟



43% جواب دہنده خواتین نے بذات خود یا ان کے خاندان کے کسی فرد نے مذہبی تعصب کا سامنا کیا تھا۔ جبکہ اتنی ہی شرح میں خواتین نے اس سوال کا جواب دینے سے گریز کیا (اکثر اوقات رعما کے خوف سے اقیتی برادری کے لوگ مذہبی تعصب کا ذکر کرنا بھی پسند نہیں کرتے)۔ صرف 14% خواتین نے جواب دیا کہ انہیں کسی قسم کے امتیاز کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ سب سے زیادہ (40%) امتیاز مقام کا روپ دیکھا گیا، جبکہ تعلیمی اداروں میں یہ شرح 24% تھی اور مقامی آبادی میں امتیاز کی شرح 18% تھی۔ عمومی مقامات پر امتیاز کی شرح 10% تھی۔ صرف ایک جگہ جہاں کسی امتیاز کے بارے روپورٹ نہیں کیا گیا وہ ”دوران سفر“ تھی جس کا سبب یہ ہے کہ سفر کے دوران لوگوں کو ایک دوسرے کے مذہب کے بارے علم نہیں ہوتا جس کے باعث مذہب کی بنیاد پر تعصب کے امکانات کم ہو جاتے ہیں۔ مذہبی تعصب پر منی صورتوں میں سب سے زیادہ منافرانہ کلام (32%)، توہین آمیز سوالات (27%) اور ساتھ کھانا کھانے سے انکار کی شرح 19% تھی۔ کام سے براہ راست جڑی ہوئی امتیاز کی صورت میں تعطیل کے روز کام، چھٹی دینے سے انکار، کم اُجرت، ترقی سے محرومی، تنخواہ میں اضافہ سے انکار، ملازمت سے بروطنی اور تبادلہ وغیرہ کی صورتوں کی شکار خواتین کی شرح 47% تھی۔ یعنی مذہبی شناخت کے حوالہ سے اقیتی خواتین کے لئے روزی کماناً اگر مشکل کام ہے تو دوسرا طرف طالب علم ہونا بھی کوئی آسان مرحلہ نہیں کیونکہ تعصب اور امتیاز میں مقام کار کے بعد تعلیمی ادارے دوسرے نمبر پر آتے ہیں۔ ستم تو یہ ہے کہ تعلیمی ادارے روشنی پھیلانے کی بجائے جہالت کے فروغ کا باعث بن رہے ہیں۔ جہاں عدم برداشت اور تعصب پروان چڑھ رہا ہے جس کے باعث کسی نہ کسی طریقے سے وہ براہ راست یا بالواسطہ مذہبی وابستگی کی بنیاد پر تعصب کے فروغ کا باعث بن رہے ہیں۔



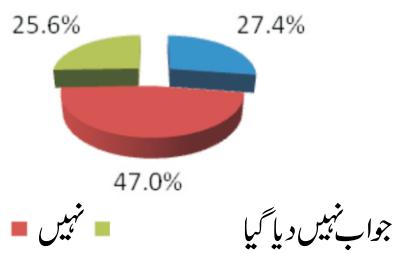


تعلیمی اداروں میں تعصبات امتیاز

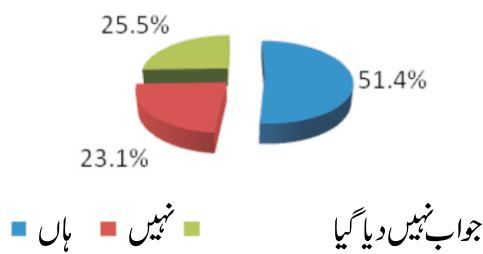
ایک چوتھائی (27%) سے زائد جواب دہنہدہ خواتین کو مذہب کی بناء پر یونیورسٹی، کالج یا سکول میں داخلہ کے وقت امتیاز کا سامنا کرنا پڑا۔ 47% خواتین کو ایسے امتیاز کا تجربہ نہیں ہوا جبکہ ایک چوتھائی سے زیادہ خواتین نے اس بارے میں کوئی جواب نہیں دیا۔ 51% خواتین یا ان کے بچوں نے اسلامیات کا مضمون اختیار کیا تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کالج یا سکول میں ان کے پاس اس کے علاوہ کوئی دیگر چارہ نہیں۔ اگر وہ اسلامیات کی بجائے ”اخلاقیات“ کے مضمون کا چنانہ کریں تو ان کے گردید متنازع ہوتے ہیں ہیں جس کا اثر مجموعی نمبروں پر پڑتا ہے جو آئندہ پیشہ وارانہ اداروں میں داخلہ کے وقت مشکل کا سبب ہوتا ہے۔

سروے کے مطابق 33% اقلیتی خواتین کو تعلیمی اداروں میں مذہب کی بناء پر تعصبات کا سامنا کرنا پڑا جبکہ 38% خواتین نے یہ شکایت نہیں کی۔ جواب دہنہدہ خواتین کی ایک خاطرخواہ تعداد (29%) نے کوئی جواب نہیں دیا۔ امتیاز کی صورتوں میں 19% خواتین کے ساتھ کھانا کھانے سے انکار کیا گیا جبکہ 16% کی حوصلہ لشکنی کی گئی۔ اس کے بعد منافرانہ کلام اور توہین آمیز کلمات کی شکایت کی گئی۔ خواتین کی اکثریت (71%) نے اس سوال کا جواب نہیں دیا۔ یہ اس مسئلہ پر گفتگو کرنے کے بارے اقلیتی خواتین میں عدم اعتماد اور خوف کی علامت ہے۔

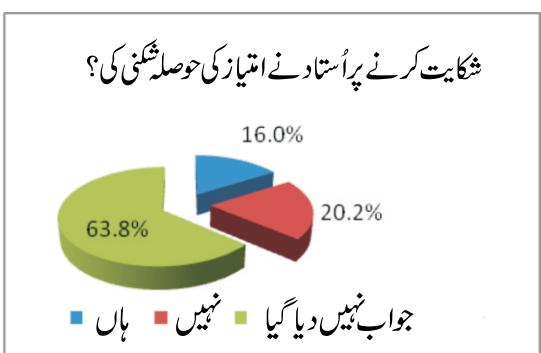
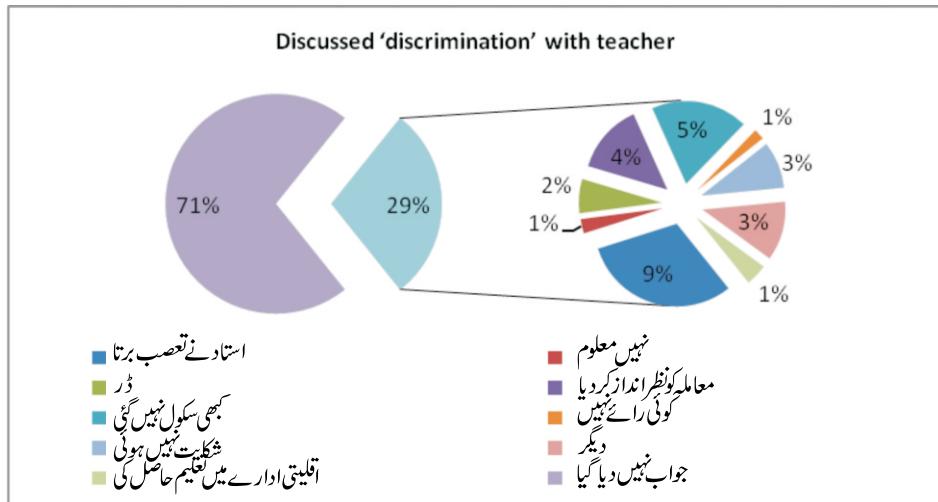
داخلہ حاصل کرنے کے لئے مذہبی شناخت رکاوٹ بنی؟



آپ کے پچھے اسلامیات پڑھ رہے ہیں؟



”کیا استاد نے طلباء کے درمیان امتیازی رویے کی حوصلہ شکنی کی؟“ اس سوال کے جواب میں 64% خواتین نے کوئی جواب نہیں دیا۔ 20% (پانچویں حصہ) خواتین نے بتایا کہ ان کے استاذ نے ایسے رویوں کی حوصلہ شکنی نہیں کی۔ انہی 20% خواتین کے مطابق استاذ نے اقلیتی برادری کے طلباء کے ساتھ امتیازی رویہ رکھا 16% خواتین نے بتایا کہ استاذ نے طلباء کے درمیان امتیازی اور منفی رویوں کی حوصلہ شکنی کی جبکہ 42% خواتین نے استاذ کی جانب سے اقلیتی طلباء کے ساتھ کسی قسم کے امتیازی سلوک کی شکایت نہیں کی۔



درحقیقت 46% جواب دہنده خواتین نے بتایا کہ تمام مذاہب کے طلباء کو ایک دوسرے کے ساتھ مل جل کر رہنے کی حوصلہ افزائی کی گئی جبکہ 18% خواتین نے اس کی نفی کی۔ ایک تہائی خواتین نے کوئی جواب نہیں دیا۔ امتیازی رویہ رکھنے والے استاذ میں سے % نفرت انگلیز کلام کی طرف مائل تھے جبکہ ایک چوتھائی نے اقلیتی طلباء کو نظر انداز کیا اور ان کی حوصلہ شکنی کی۔ اکثر اقلیتی طلباء شکایت کرتے ہیں کہ انہیں اسلام قبول کرنے کے لیے کہا جاتا ہے۔ سروے کے مطابق 22 فی صد خواتین کو اسلام قبول کرنے کے لیے کہا گیا۔

استاذ میں ایسے رویوں کا پایا جانا نہایت تشویش ناک ہے جس کو برداشت نہیں کیا جاسکتا۔ چنانچہ طلباء میں تعصب و امتیازات کے رویوں کی حوصلہ شکنی نہ کرنے کے باعث استاد عدم برداشت کے فروغ کا باعث بن رہے ہیں۔ تعلیمی اداروں کو ہر قسم کے تعصب سے پاک ہونا چاہیے۔ ان مقامات اور جگہوں میں ایسے رویوں کا کوئی جواز نہیں۔ ایسے استاذ نہ چو طلباء میں عدم برداشت کے رویوں کی آبیاری کرتے ہیں یا خود ایسے رویے رکھتے ہیں وہ استاد ایسے معزز اور ذمہ دار عہدے کے ہر گز لائق نہیں ہو سکتے۔

جواب دہنده خواتین نے بہت سے سوالات کے جواب پر خاموشی اختیار کی جو خوف، عدم تحفظ پرمنی احساسات کی علامت ہے گویا وہ سمجھتی ہیں کہ ان کے مسائل کا کچھ حل نہیں نکلنے والا چنانچہ اس مسئلہ پر کیوں بات کی جائے۔ یا امر ایسے مسائل کو حل کرنے کے لیے اقلیتی برادری کی بے بُسی اور لاچاری کا بھی ثبوت ہے۔

تاہم اساتذہ اور طلبہ کی ایک بڑی تعداد غیر متعصب ہے اور مختلف مذاہب کے افراد کے ساتھ مل جمل کر رہے ہیں اور انہیں دوست بنانے پر قائل ہے۔ انسانی احترام کے فروغ اور تخلی مزاج معاشرے کی تشكیل کے لئے ایسے رویوں کی حوصلہ افزائی نہایت ضروری ہے۔

مقامی آبادی میں تعصب

45% جواب دہندرہ خواتین ایسی ہمسایگی میں قیام پذیر تھیں جہاں روزانہ / ہفتہ وار اماہانہ کی بیاند پر پڑوسیوں کے ساتھ میل ملا پ کے موقع تھے۔

28% خواتین کے مطابق وہ کبھی بھار پڑوسیوں سے ملتی ہیں جب کہ 23% نے پڑوسیوں سے کبھی میل ملا پ نہیں رکھا۔ 50% خواتین نے بتایا کہ بر قعہ نہ پہننے، مخصوص مذہبی شناخت کے نام ہونے، رسم و رواج اور مذہبی شعار (علمتی نشان بندیا، صلیب وغیرہ) پہننے کے باعث اکثریتی برادری کا رویہ ان کے ساتھ ثابت تھا۔

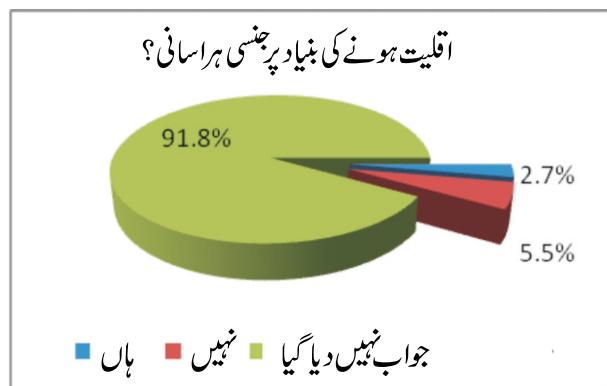
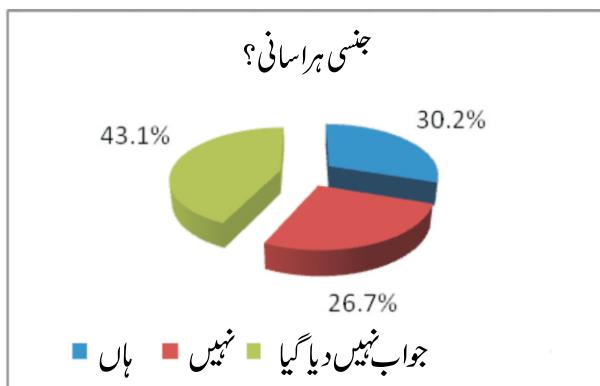


ہندو برادری عبادت (پراتھنا) کرتے ہوئے

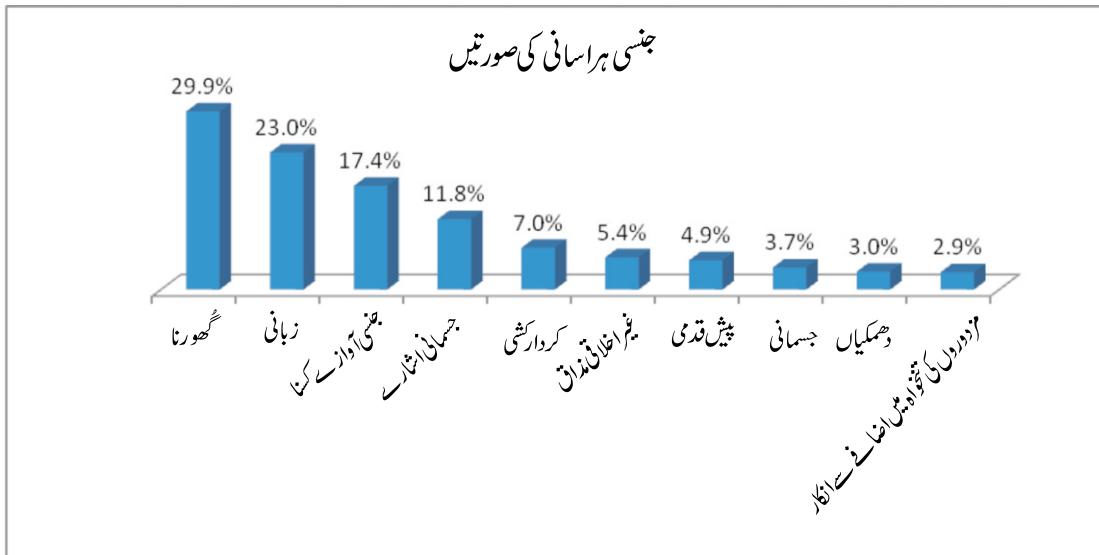
تاہم ایک تہائی سے زیادہ خواتین کو مذہبی شعار پہننے، مذہبی شناخت کے نام، رسم و رواج اور بر قعہ نہ پہننے یا اطلاقی عبادت کے باعث مذاق یا تضییک کا سامنا کرنا پڑا۔ لہذا 50% سے زائد شرح ان خواتین کی تھی جن کو تحرارت سے دیکھا گیا تھا اور 46% کے قریب خواتین کو بر قعہ نہ پہننے کے باعث مذاق کا نشانہ بنایا گیا تھا۔

جنسی ہراسانی

جواب دہندرہ خواتین کی ایک بڑی اکثریت (70%) ملازمت پیشہ ہے جن میں سے 30% خواتین نے مقام کار پر جنسی ہراسان کئے جانے کی شکایت کی جبکہ 27% نے اس کا جواب نفی میں دیا۔ دوسری طرف 43% خواتین نے کوئی جواب نہیں دیا۔ یہ خاموشی اس لئے بھی ہو سکتی ہے کہ کامیابی مسائل پر بات کرنا ہماری سماجی



روایت کے منافی سمجھا جاتا ہے اور ایسے معاملات اور مسائل پر خاموش رہنے کو بہتر حکمت عملی سمجھا جاتا ہے۔



3 فیصد جواب دہندرہ خواتین کے مطابق انہیں اقلیتی برادری سے ہونے کے باعث جنسی طور پر ہراساں کیا گیا جبکہ 6 فیصد نے نفی میں جواب دیا تاہم اس امر میں پریشان گن (جیران کن ہرگز نہیں) امریہ تھا کہ 92% نے اس سوال کا جواب ہی نہیں دیا۔ گویا اگر انہیں جنسی ہراساں بھی کیا گیا تو بھی انہوں نے خاموش رہنے میں ہی اپنی عافیت سمجھی۔ انہیں متعدد خوف لاحق ہو سکتے ہیں مثلاً کسی کو بتانا ان کے لئے اور ان کے خاندان کے لئے باعث شرم ہوگا، وہ اپنی نوکری سے ہاتھ دھوپھیس گی یا ہو سکتا ہے کہ ان کے خاندان اور انہیں ہراساں کرنے والوں کے مابین صورت حال خراب ہو جائے۔

جنسی ہراساں کرنے کی سب سے عام صورت گھورے جانا (30 فیصد) تھا۔ جس کے بعد دیگر صورتیں ہیں۔ اس سے اُن خواتین کی بے بسی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے جو اپنے خاندانوں کی آمدی میں اپنا حصہ ڈالنے کے لئے حریص نگاہوں کے درمیان میں کام کرنے پر مجبور ہیں۔ یہ خواتین 2009ء میں فوجداری قانون میں کی جانے والی ترمیم (Criminal Law Amendment Bill) سے لاعلم ہیں جس کے تحت جنسی ہراسانی کا زیادہ مناسب طور پر تعین کیا گیا ہے۔

4.4-8 تلافی کی صورتیں

24% جواب دہندرہ خواتین نے بتایا کہ انصاف کے حصول کے لئے وہ پنچانت سے رجوع کرتی ہیں۔ 6% خواتین کے مطابق ایسی صورت میں وہ اپنے ادارے سے رجوع کرتی ہیں۔ جبکہ تین 3 فیصد نے عدالت سے رجوع کرنے کا ذکر کیا۔

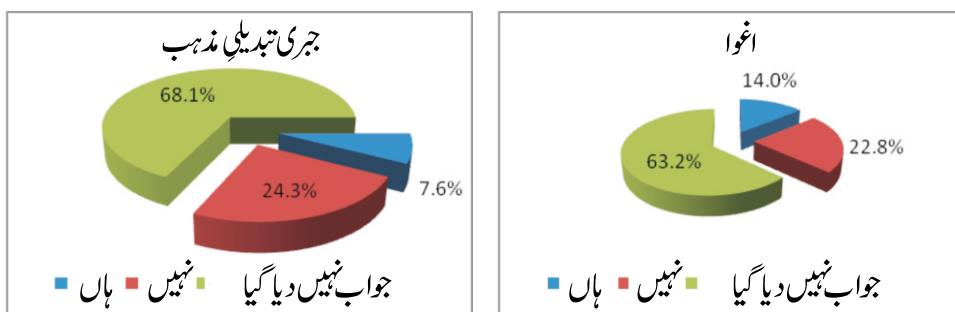
آخری چارہ عدالت ہے۔ شائد وسائل کی کمی اور طویل عدالتی طریق کار کے باعث لوگ عدالت سے رجوع کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ 2% جواب دہندرہ خواتین نے بتایا کہ وہ وسائل کی کمی کے باعث عدالت کا راستہ اختیار نہیں کر سکتیں۔ دوسرا طرف 9 فیصد خواتین نے درگز روتوز جیج دی۔ جبکہ اتنی ہی شرح 9% کا جواب تھا کہ اس کی ضرورت نہیں۔ 7% نے انصاف کے لئے رجوع نہ کرنے کی وجہنا انصافی بیان کی۔

4.4 قانونی مسائل اور قانون پر عمل درآمد

تحفظ

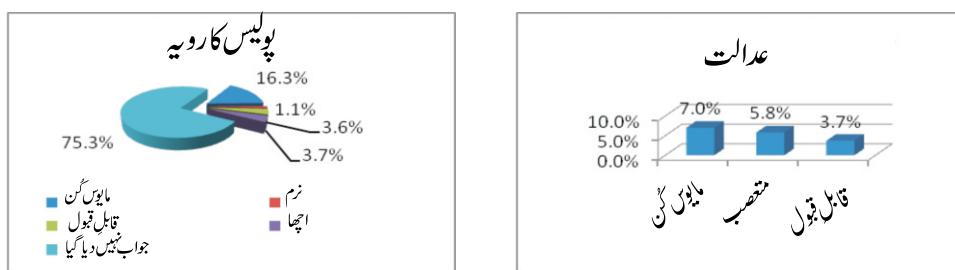
اغوا، جبری تبدیلی مذہب، خواتین کی تجارت

جواب دہندرہ خواتین سے سوال کیا گیا تھا کہ آیا وہ اقلیتی خواتین کے اغوا، جبری تبدیلی مذہب یا اقلیتی خواتین کی تجارت کے کسی واقعہ کا علم رکھتی ہے۔ 14% خواتین کو اقلیتی خواتین کے اغوا کئے جانے کے واقعات کے بارے علم تھا۔ 8 فی صد خواتین کو اقلیتی خواتین کے جبری تبدیلی مذہب کے واقعات کا علم تھا اور 3 فی صد کو اقلیتی خواتین کی تجارت کے بارے واقعات کا علم تھا۔ یہ تصدیق کرنے کے لیے کہ یہ علم کسی سنبھالی بات پر منی تو نہیں خواتین سے پوچھا گیا کہ وہ متاثرہ خواتین کے نام بتائیں۔ خواتین نے ایسے واقعات کے وقوع پذیر ہونے کے بارے تصدیق تو کی تاہم انہوں نے متاثرہ خواتین کے نام نہیں بتائے۔ چنانچہ اس روپورٹ میں اقلیتی خواتین کے اغوا، جبری تبدیلی مذہب اور خواتین کی تجارت کے واقعات جن کا جواب دہندرہ خواتین نے ذکر کیا تصدیق نہیں کی جاسکتی۔ تاہم پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق HRCR، قومی کمیشن برائے امن و انصاف NCP اور دیگر ایسی تنظیموں کی طرف سے روپورٹ کردہ ایسے واقعات کی روشنی میں اس کی قبولیت کے بارے فیصلہ قاری پر چھوڑا جاتا ہے۔ جدول (پائی چارٹ) کے مطابق خواتین کی اکثریت نے ایسے واقعات سے علمی کا اظہار کیا۔



پولیس اور عدالت سے واسطہ

سروے میں شریک 1000 جواب دہندرہ خواتین کی ایک چوتھائی (24%) نے قانونی مسائل کا سامنا کیا تھا۔ جبکہ 64% خواتین نے کبھی کسی قانونی مسئلہ کا سامنا نہیں کیا تھا۔ 12% نے اس سوال کا جواب نہیں دیا۔ صرف 1% خواتین نے پولیس کے رویے کو نرم قرار دیا۔ ایسی خواتین جن کو پولیس سے واسطہ پڑا اُن میں سے 4% خواتین نے پولیس کا رویہ اچھا قرار دیا۔ جبکہ پولیس کے رویے کو قابل قبول قرار دینے والی خواتین بھی 4% فی صد تھیں تاہم باقی اکثریت نے پولیس کے رویے کو ”مايوس کن“، قرار دیا۔ ایک بڑی اکثریت (75%) نے اس سوال کا جواب نہیں دیا۔ عدالت سے واسطہ کے تجربہ کے بارے پوچھنے کے سوالات کے ضمن میں زیادہ ثبت جوابات نہیں دیئے گئے۔ 13% کے مطابق یہ تجربہ مايوس کن جبکہ 4% فی صد کے نزدیک تسلی بخش تھا جبکہ باقی نے خاموش رہنا مناسب سمجھا۔ قبل غور بات ہے کہ خواتین نے پولیس اور عدالت کے بارے جواب دینے کی وجہے خاموش رہنے کو ترجیح دی۔ اس کا واضح سبب خاموشی کا لکھنگی ہو سکتا ہے۔

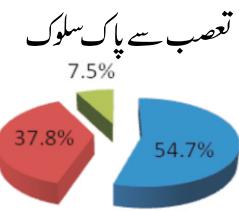


4.4-10 مستقبل کی امید

پاکستان میں رہنے والی دو بڑی اقلیتی برادریوں کی خواتین اپنے مستقبل کے بارے میں کیا سوچتی ہیں؟ دیگر عوامل کی طرح ان کا مستقبل بھی ان کی موجودہ گرد و نواح سے جڑا ہوا ہے۔ ان کی ترقی، خوشحالی اور معاشی و سماجی استحکام کے روشن امکانات کا انحصار مضبوط سماجی تعلقات اور معاشرتی میں ملاپ پر ہے۔



تعصب سے پاک سلوک



■ جواب نہیں دیا گیا ■ نہیں ■ ہاں

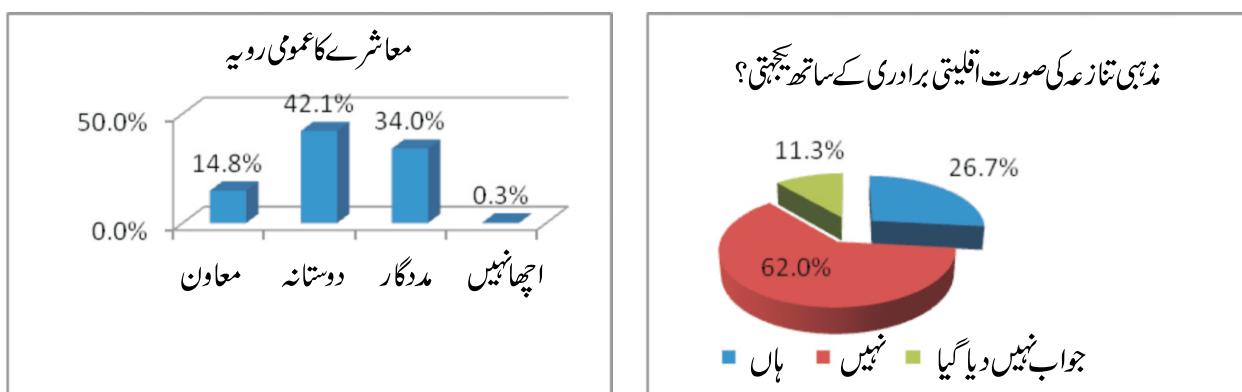
55٪ جواب دہنده خواتین نے اپنے اردو گرد ماحول کو غیر متعصب پایا تا ہم 38٪ خواتین کے مطابق انہیں متعصب ماحول کا سامنا تھا۔ متعصب ماحول کی شرح ہمارے عمومی دعوے کے برعکس ہے جس میں کہا جاتا ہے کہ ”ہمارے ہاں ایک محمد و اقلیتی گروہ متعصب اور عدم برادشت کے رویے رکھتا ہے جبکہ ایک بڑی اکثریت تخلی مزاج ہے۔“ معاشرے میں تخلی مزاج رویے مسلسل کم ہوتے نظر آتے ہیں جو نہایت تشویش انگیز بات ہے۔

42٪ جواب دہنده خواتین ایسے ماحول میں رہ رہی تھیں جہاں اکثریت طبقے کا ان کے ساتھ سلوک دوستانہ تھا۔ 34٪ نے بتایا کہ اکثریتی برادری کے افراد ضرورت

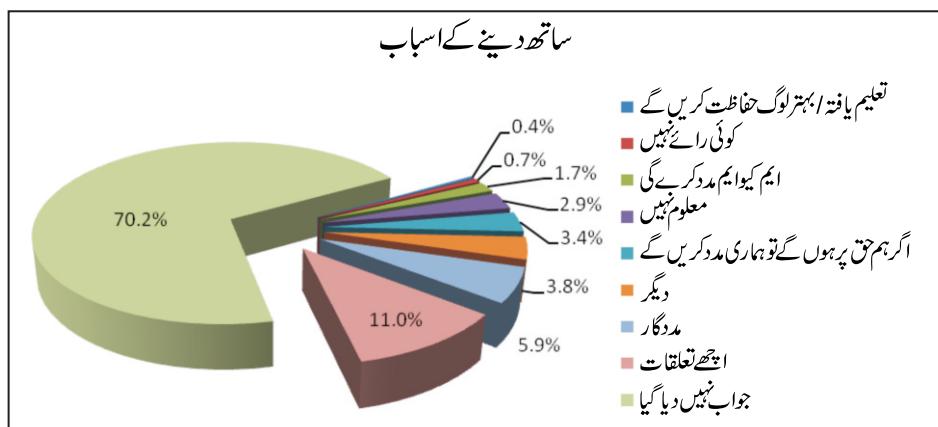
پڑنے پر مددگار تھے جبکہ 15% نے بتایا کہ ان کا رویہ باہمی تعاون پر مبنی تھا۔ تاہم 62% خواتین (بشمول وہ بھی جنہیں متعصب احوال کا سامنا نہیں تھا) کا خیال تھا کہ مذہبی تنازع کی صورت میں وہ (اکثریتی برادری سے تعلق رکھنے والے ہم سائے) ان کی حمایت نہیں کریں گے دوسری طرف 27% خواتین کا خیال تھا کہ کسی ایسی صورت حال میں وہ ان کا ساتھ دیں گے۔

کسی مذہبی تنازع کی صورت حال میں اقلیتی برادری کا ساتھ نہ دینے کا ایک سبب یہ ہے کہ ایسے موقع پر منفی دباؤ (باخصوص مذہبی انتہا پسندوں کی طرف سے) اس قدر بڑھ جاتا ہے کہ لوگوں کو اپنی زندگی خطرے میں دکھائی دیتی ہے چنانچہ وہ یا تو خاموش ہو جاتے ہیں یا پھر وقت کا ساتھ دیتے ہیں

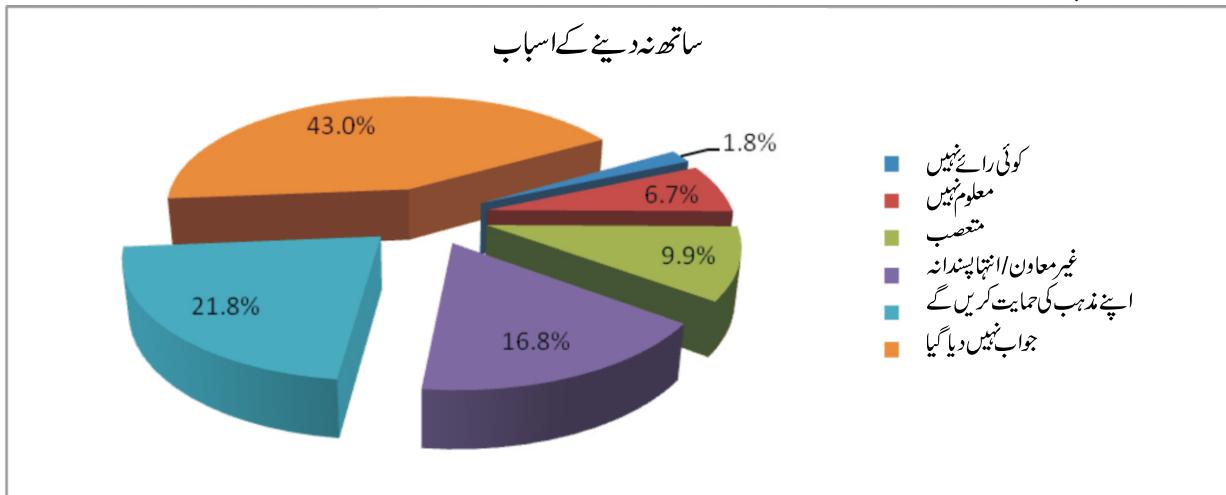
ایسی صورتوں میں امن و امان کی صورت حال بہت بگڑ جاتی ہے اور پولیس اپنا فرض نہیں نہجاتی۔ سیاسی جماعتیں اس مسئلہ پر کوئی واضح موقف نہیں اختیار کرتیں اور خاموش رہتی ہیں۔ اس پر ارباب اختیار کی طرف سے صرف تقاریر کے ذریعے زبانی جمع خرچ سے کام چلایا جاتا ہے اور مسئلہ کی اصل وجہ کا پاسیدار حل ڈھونڈنے سے پہلو تھی کرتے ہوئے انصاف کو پس پشت ڈال دیا جاتا ہے۔ چنانچہ ایسے میں اقلیتی برادریوں کی آبادیوں پر مسلمانوں کے پُرتشدہ بحوم مملأ آور ہوتے ہیں (1997ء میں شانتی نگر کونڈ ری آتش اور 2010ء میں سانحہ گوجرہ میں مسیحیوں کے گھروں کو نذر آتش کر دیا گیا جس میں 7 افراد زندہ جلا دیئے گئے)۔



27% جواب دہنده خواتین کے مطابق کسی مذہبی مسئلہ کی صورت میں ان کے مسلمان ہم سائے ان کا ساتھ دیں گے۔ ان سے سوال کیا گیا کہ ان کے ہم سائے کس



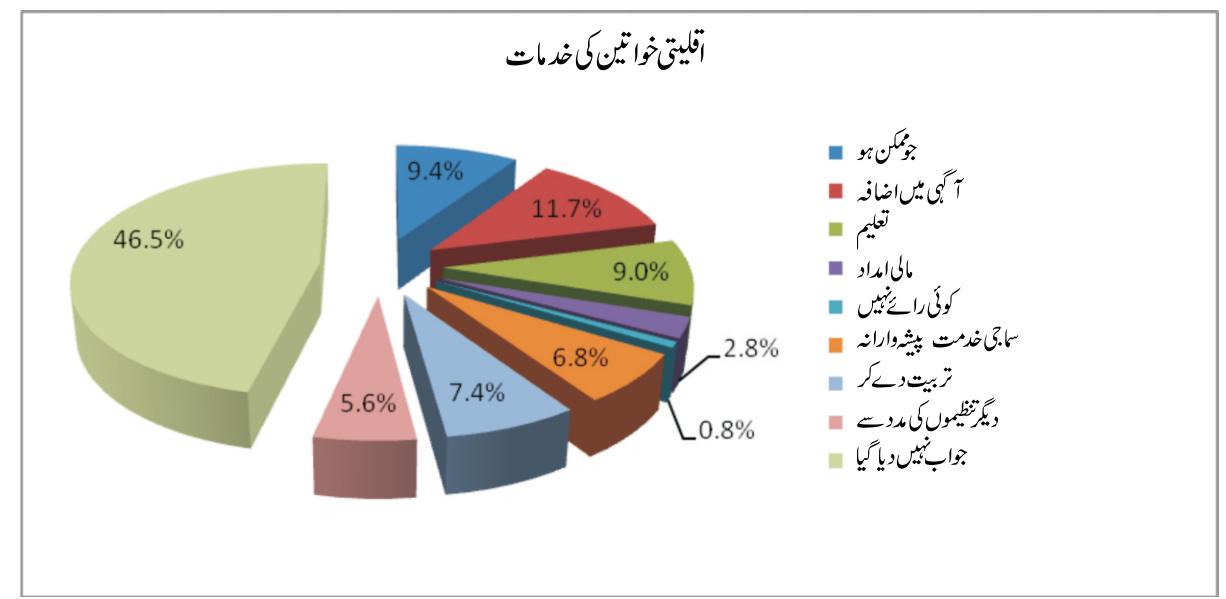
صورت میں اُن کا ساتھ دیں گے جس کا اُن خواتین (27%) کی اکثریت (70%) نے جواب نہیں دیا۔ شائد ان کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا۔ تاہم اس قدر تعاقون اور مدد کی توقع ”بہتر تعاقلات“ کی صورت ہی وابستہ ہو سکتی ہے۔ 11% خواتین نے کہا کہ اُن کے مسلمان ہمسایوں کے ساتھ اپنے تعلقات ہیں جبکہ 6% نے کہا کہ وہ (مسلمان ہمسائے) مددگار ہیں۔ 2% نے صد خواتین نے ایسی صورت میں ایم کیوائیم (سیاسی جماعت) سے مدد کی توقع کا اظہار کیا۔ یہ جواب دہنہ خواتین غالباً حیدر آباد / کراچی کے شہروں سے تھیں۔ یہ کسی سیاسی جماعت (ایم کیوائیم) کی کامیابی کی دلیل ہے کہ اس کی پالیسی کے باعث اقیمتی برادری کے افراد میں تحفظ اور اعتماد کا احساس ہے۔ دیگر سیاسی جماعتوں اس سے سبق حاصل کر سکتی ہیں۔



جواب دہنہ خواتین میں سے تقریباً نصف (49%) نے کسی مذہبی مسئلہ کی صورت میں اکثریتی برادری کے رویے کے متعلق بتایا کہ وہ متعصب، مخالف / اپنے اپنے زندگی اور اپنے مذہب ساتھیوں کا ساتھ دینے والا ہوگا۔ ایک خاطرخواہ تعداد نے سوال کا جواب دینے سے گریز کیا۔

امکانی شمولیت

بادی انظر میں ثقافتی اقدار کے باعث مذہبی اقیمتی خواتین گھر اور معاشرتی زندگی میں عدم استحکام کا شکار ہیں۔ اس کے باوجود 57% خواتین نے ثبت جواب دیتے

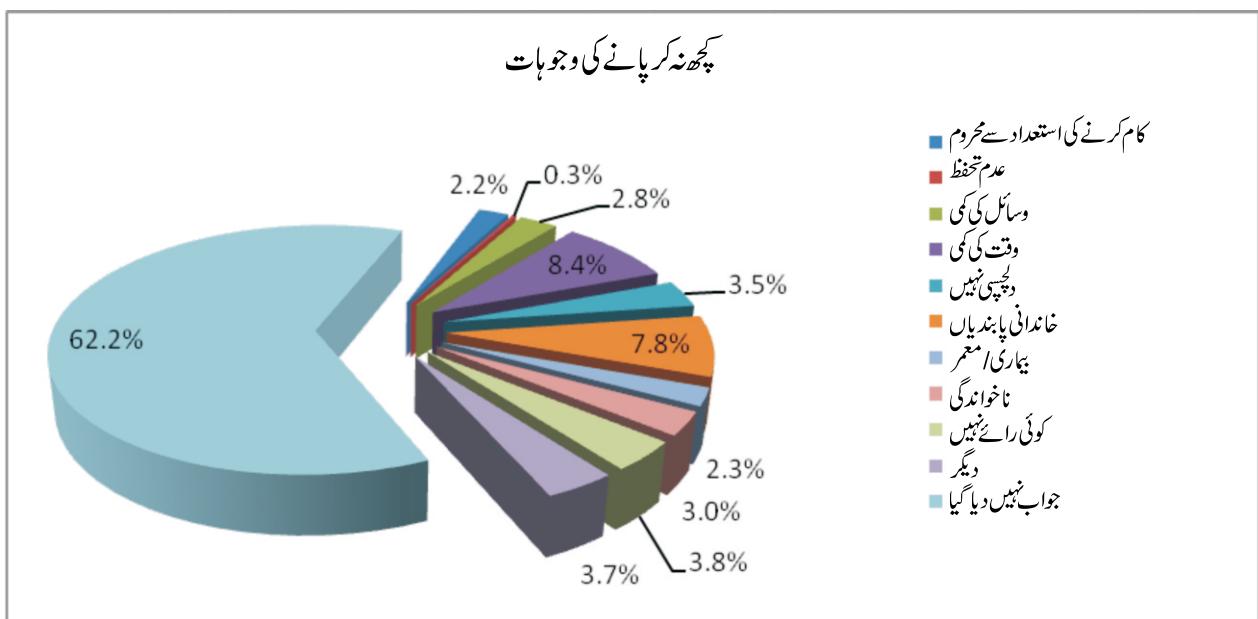


ہوئے اس عزم کا اظہار کیا کہ وہ اقلیتی خواتین کی سماجی و معاشری، سیاسی، ثقافتی اور مذہبی صورت حال بہتر بنانے میں کردار ادا کر سکتی ہیں ایک خاطر خواہ تعداد (43%) کا جواب نفی تھا۔ 9% خواتین نے تعییم فراہم کرنے کے لئے کہا جبکہ دیگر 9% خواتین نے کہا کہ ”کچھ بھی ممکن ہے“، گویا قابلیت اور وسعت قلب موجود ہے صرف سمت کے تعین کی ضرورت ہے۔ 3% خواتین دیگر خواتین کی مالی امداد کرنے کو تیار تھیں گویا وہ مالی طور پر مستحکم تھیں۔

12% جواب دہنده خواتین (جن کو موقع میرتھے) کے خیال میں آگئی اور سماجی بیداری کے ذریعے وہ اپنی ساتھی اقلیتی خواتین کی صورت حال میں بہتری لاسکتی ہیں یہاں آگئی سے مراد ان کے حقوق سے متعلق ہے۔ جواب دہنده خواتین کی معمولی تعداد (3%) نے دیگر خواتین کی مدد کرنے کے لیے دیگر تنظیموں کے ساتھ کام کرنے کا خیال ظاہر کیا۔ مل کر حل تلاش کرنے کے لیے ٹھوس اقدامات اٹھانے والی طاقتions کا ساتھ دینا یقیناً ایک بہتر حکمت عملی ہے۔ اس کے باعث شرکتی طریقہ کار کو مزید وسعت مل سکتی ہے جو اقلیتی برادری کو درپیش مسائل (مردوخواتین) کو حل کرنے کے لیے ایک وسیع امکان مہیا کرنے کا باعث ہوگی۔

قابل، غور بات ہے کہ 12% خواتین سوچتی ہیں کہ وہ مذہبی اقلیتوں کی خواتین کی مذہبی، سماجی، سیاسی اور ثقافتی صورت حال کا بہتر بنانے میں کوئی کردار ادا نہیں کر سکتیں۔ جس کی وجہ انہوں نے وقت اور سائل کا نہ ہونا اور عدم دلچسپی بتائی۔ اقلیتوں کے حقوق کے علمبرداروں کے لیے یہ ایک چشم کشا حقیقت ہے۔ وہ سمجھتے ہیں اگر کچھ حقوق اقلیتوں کو عطا کر دیئے جائیں تو اس کے باعث ایک یادوسری صورت میں اقلیتی خواتین کی ترقی اور شرکت کی راہ خود بخوبی نکل آئے گی۔ خواتین کی اکثریت (62%) نے اس ضمن میں کوئی جواب نہیں دیا۔

اقلیتی خواتین کا دیگر اقلیتی خواتین کے لیے کچھ نہ کر سکنے کے دیگر عوامل میں خاندانی پابندیاں (8%)، وسائل کا فقدان (3% صد)، ناخواندگی (غیر تعلیم یافتہ ہونا) وغیرہ شامل تھے۔



زیر کفالت افراد

جواب دہنده خواتین کے زیر کفالت افراد میں ساس (12.47%) اور سسر (10.43%) تھے۔ تیرے درجے پر زیر کفالت بے روزگار بیٹے (8.40%) جبکہ جواب دہنده خواتین کی ماں کیس 7.63% تھیں۔ ان کے بعد زیر کفالت افراد میں خاوند اور داماڈ آتے ہیں۔ ان معلومات سے عیاں ہے کہ جواب دہنده خواتین کے ہاں مشترک کہ خاندانی نظام، بہت مضبوطی سے رانج ہے جہاں یہ خواتین خاندان کامی بوجھ کلی یا جزوی طور پر اٹھائے ہوئے ہیں۔ زیر کفالت افراد میں سے 1% ماسٹر ڈگری اور 2% بچپر ڈگری کے حامل تھے۔ 20% ناخواندہ، 10% میٹرک پاس جبکہ میڈل پاس کرنے والے 8% تھے۔

ان اعداد و شمار سے واضح ہے کہ جواب دہنده خواتین کے زیر کفالت افراد میں اعلیٰ تعلیم یافتہ افراد کی تعداد نہ ہونے کے برابر تھے۔ 66% خواتین نے اپنے زیر کفالت افراد کے پیشے کے بارے کچھ نہیں بتایا (اس کا ایک سبب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ زیر کفالت افراد شاید بے روزگار تھے۔ یاد رہے زیر کفالت افراد میں 28% کی عمر 60 سے 70 سال کے درمیان تھی) گمان ہے کہ مزدور (6%) اور استاد (3%) روزگار تلاش نہیں کرتے۔ سروے کیے گئے گروہ پر ملک میں پائی جانے والی بے روزگاری کی صورتِ حال کے بھی واضح اثرات تھے۔

جواب دہنده خواتین کے زیر کفالت افراد میں سے ایک تہائی کی صحت اچھی تھی۔ ایک تہائی جواب دہنده خواتین نے اس بارے کچھ نہیں بتایا۔ 15% زیر کفالت افراد کی صحت اچھی نہیں تھی۔ 10% کی صحت غیر متحق، 12% کی صحت عام یا کافی، بہتر تھی جبکہ 1% زیر کفالت افراد معدوری کا شکار تھے۔ خاندان میں زیر کفالت افراد کو طبی امداد اور ادویات وغیرہ کی فراہمی جواب دہنده خواتین یا دیگر افراد کے ذمہ تھی۔ 86% خواتین نے معدوری کی نوعیت کے بارے کوئی معلومات فراہم نہیں کیں اور معدوری کی بجائے بیماری لکھا۔



اقلیتی خواتین اور قوانین پاکستان

نظام اور قانون وضع کرنے کا مقصد انصاف کی فراہمی ہے۔ چنانچہ اگر یہ مقصد حاصل نہ کیا جائے تو یہی عناصر (قانون اور نظام) ایسے خطرناک بند کی صورت اختیار کر لیتے ہیں جن کے باعث سماجی ترقی کا بھاؤ رُک جاتا ہے۔ مارٹن لوٹھر کنگ

صنفی بے بصری کے ذریعہ قوانین سے قطع نظر، ملک میں اقلیتی خواتین کو قوانین کے لحاظ سے درپیش مسائل کی مندرجہ ذیل اقسام بنائی جاسکتی ہیں۔

الف۔ قوانین میں موجود مذہب کی بنیاد پر امتیاز جس سے اقلیتی خواتین بھی متاثر ہوتی ہیں۔

ب۔ نکاح، تحویل اور وراثت کے امور پر قانون سازی کی عدم موجودگی اور جری تبدیلی مذہب اور انوغواجی سے واقعات سے عدم تحفظ

ج۔ عائلی قوانین پر اسلامی شریعت کے قوانین کا غالب غصر

5.1۔ دستور پاکستان 1973

اقلیتوں کے تحفظ کے ضمن میں دفعہ 36 میں یوں بیان ہے، ”ریاست و فاقی و صوبائی ملازمتوں میں معقول نمائندگی دیتے ہوئے اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ کرے گی۔“

دفعہ 20 میں عقیدہ یا مذہب اختیار کرنے اور اُس کے اظہار کی آزادی اور مذہبی ادارے قائم کرنے کی آزادی کو تحفظ دیا گیا ہے۔ دفعہ 27 میں ملازمت میں تعصّب اور امتیاز سے تحفظ کی ضمانت دی گئی ہے۔ علاوہ ازیں دفعہ 25 میں ہر قسم کے امتیاز کیلغی کرتے ہوئے تمام شہریوں کو قانون کے سامنے مساوی قرار دیا گیا ہے۔

دوسری طرف دفعہ 2 میں درج ہے کہ اسلام پاکستان کا سرکاری مذہب ہے۔ چنانچہ جہاں تک مذہبی اقلیتوں کا تعلق ہے آئین میں انہیں ایک ہاتھ سے حقوق دیئے گئے ہیں تو دوسرے ہاتھ سے سلب کر لئے گئے ہیں۔ جمہوری اقدار اور بانی پاکستان کے وعدہ سے انحراف کرتے ہوئے ریاست کے امور میں مذہب کے عمل خل کے علاوہ دستور میں مسلمان، غیر مسلمان، (ہندو، مسیحی، پارسی، سکھ اور بدھ مت) شہریوں کے ساتھ تفریق کا برتابا کیا گیا ہے۔

دستور پاکستان میں مذہب کی بنیاد پر تعصّب اور امتیاز کی واضح ترین مثال یہ ہے کہ ریاست کے اعلیٰ ترین مناصب کو اکثریتی مذہب کے افراد کے لئے مخصوص کر دیا گیا ہے۔

دفعہ 41(2)، اور دفعہ 91 کے تحت غیر مسلم شمول اقلیتی خواتین بوجہ مذہبی و ایسٹنگی صدر اور وزیر اعظم کے عہدے کے لئے نااہل ہیں۔

آئین کی دفعات 18، 20، 25، 27 اور 36 میں تعصّب سے تحفظ اور اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کی ضمانت دی گئی ہے تاہم آئین کے دیگر حصوں میں مذہب کی بنیاد پر شہریوں کے ساتھ امتیاز برترے جانے کے باعث یہ دفعات بے معنی ہو جاتی ہیں۔

ایک غیر معمولی کارروائی کے ذریعے آئین میں دفعہ ³⁶(b)-(3)-260، کا اضافہ کیا گیا جس میں مذہبی اقلیتی گروہوں مثلاً مسیحی، ہندو، احمدی، پارسی، بدھ مت، بہائی

35۔ 11 اگست 1947ء کو محمد علی جناح نے قانون ساز اسمبلی میں اپنی بھلی تقریر میں کہا ”مذہب کا ریاست کے امور میں خل نہیں ہو گا۔“

36۔ 1974ء میں آئین میں کی گئی دوسری ترمیم

اور شیدیوں کا سٹ کی تعریف کی گئی ہے۔ اس دفعہ کے تحت عمومی طور پر تمام شہریوں کے مذہبی چناؤ اور آزادی کا حق محدود کر دیا گیا جس کے باعث ریاستی امور میں مذہب کی بنیاد پر امتیاز کی راہ کھل گئی۔

دفعہ (4)-E-203 کے تحت اقلیتی مذہب سے تعلق رکھنے والے افراد و فاقی شرعی عدالت میں نجی یا وکیل (Article 203-C) نہیں ہو سکتے۔ جبکہ اقلیتوں کی روز مرہ زندگی پر اثر انداز ہونے والے امور اس عدالت کے دائرہ کار میں آتے ہیں۔ اس امتیازی اور متساوی نظام انصاف میں مذہبی اقلیتیں بشمل خواتین عدالت میں بطور گواہ پیش نہیں ہو سکتیں۔ دستور پاکستان کے تیسرا شیدیوں میں درج حلف کے مطابق سینٹ، قومی و صوبائی اسمبلیوں کے غیر مسلم ارکان اسلامی نظریہ حیات کا تحفظ کرنے کے پابند ہیں۔ 2010ء میں دستور پاکستان پر نظر ثانی کی گئی جس کے نتیجے میں آئین میں 18 ویں اور 19 ویں ترمیم کی گئیں تاہم آئین میں مذہبی امتیازات پر چند اغور نہیں کیا گیا۔ آئین پر نظر ثانی کرنے والی کمیٹی میں اقلیتوں اور خواتین کی کوئی نمائندگی نہیں رکھی گئی۔

حاصل کلام یہ ہے کہ دستور پاکستان میں شہریوں کو مذہب کی بنیاد پر فوقيت دی گئی ہے اور مذہبی امتیاز دستور کا لازمی ہو جو ہے۔

5.2۔ فوجداری انصاف میں امتیاز

حدود قوانین

1979ء میں فوجی آمرضیا اتحق نے 5 صدارتی آرڈیننس جاری کئے جن کو حدود آرڈیننس کہا جاتا ہے۔ ان قوانین کے تحت زنا، چوری اور شراب نوشی کی سزا کیں معین کی گئیں۔

حدود قوانین کے مطابق ان قوانین کے تحت کوئی غیر مسلم نجی عدالت کی کارروائی نہیں چلا سکتا جبکہ یہ تمام قوانین تمام شہریوں پر یکساں نافذ اعمال ہیں۔ علاوہ ازیں حدود کے معاملات میں غیر مسلم شہری کی گواہی غیر موثر قرار دی گئی۔ 2006ء میں جب حدود قوانین میں ترمیم کی گئیں تو ان قوانین میں موجود امتیازات کو نظر انداز کر دیا گیا۔ ستم نظریہ تو یہ ہے کہ جب نئی قانون سازی کی گئی تو اس کا مطبع نظر ان قوانین کو صرف صنف کی بنیاد پر امتیازات اور انصافیوں سے پاک کرنا تھا۔ یہ اقلیتوں کو نظر انداز کرنے کی ایک واضح مثال ہے۔³⁷

قانون شہادت 1984

ایک طرف حدود قوانین کے ذریعے زنا کے معاملہ میں بطور گواہ عورت کی اہلیت کو محدود کر دیا گیا تو دوسری طرف قانون شہادت 1984ء کے تحت اقلیتی عورت کی گواہی بھی متاثر ہوئی۔ مذکورہ قانون کی دفعہ 3 کے تحت نجی کو یہ اختیار دیا گیا کہ وہ اسلامی فقہ کے مطابق گواہ کی اہلیت کا فیصلہ کرے۔ بعض تشریفات فقہ کے مطابق

37۔ جائز برخلاف الملک (دفعہ 25)، زنا (دفعہ 21)، قتل (دفعہ 18)، کوڑوں کی سزا، پابندی کے قانون کی دفعہ 4 کے مطابق خاطر خواہ مقدار میں شراب کا ہوتا

38۔ تحفظ نسوان ایکٹ 2006

مسلمان خاتون اور غیر مسلم شہریوں کی گواہی مسلمان مرد کی گواہی کے مقابلہ میں نصف قرار دی گئی ہے۔ جبکہ غیر مسلم عورت کی گواہی نصف سے بھی آدھی قرار دی گئی ہے۔ چنانچہ شہادت کے معیار کو نجح کی تشریح پر چھوڑ دیا گیا۔

5.3۔ تکفیر کے قوانین

گذشتہ دوہائیوں کے دوران پاکستان کی شناخت ایک ایسے ملک کے طور پر ابھری جہاں تکفیر کے قوانین کا استعمال اور بداستعمال دنیا بھر میں سب سے زیادہ کیا گیا۔ ان قوانین کے بداستعمال کا سبب سماجی تناظر اور ناقص عمل درآمد کی وجہے دفعات C-B & C-A 295-B & C 298 کے مسودہ قانون کو تیار کرنے اور اس کے پیچے کا فرماوج ہے۔ جس کے تحت انہیں تعزیرات پاکستان میں شامل گیا۔ بہرحال بظاہر یہ قوانین مذہب اسلام کا احترام قائم کرنے کی غرض سے بنائے گئے تھے۔

تکفیر کے قوانین کا جائزہ

1۔ تکفیر کے قوانین میں ہم اور غیر واضح ہیں۔ قانون میں توہین کے اطوار یا ذرا رکع کے متعلق توبیان کیا گیا ہے تاہم ”توہین“ کی تعریف کا تعین نہیں کیا گیا۔ دفعہ 295 میں یوں بیان ہے، ”جو شخص لکھے ہوئے یا زبانی الفاظ یا ظاہری اشاروں کے ذریعے براہ راست یا بالواسطہ کسی تہمت یا تعریض کے ذریعے نبی پاک کی شان میں گستاخی کرے اُسے سزا نے موت یا عمر قید کی سزا دی جائے گی۔“

دفعہ 298 میں اس طرح درج ہے، ”جو شخص لکھے ہوئے یا زبانی الفاظ یا ظاہری اشاروں سے تہمت یا تعریض کے ذریعے براہ راست امہات المؤمنین، یا خلفاء راشدین یا اہل بیت صحابہ اکرام کے بارے میں توہین آمیز کلمات ادا کرے گاؤں سے تین سال قید یا جرمانہ یادوں سزا نہیں دی جائیں گی۔ یا انہائی غمین ستم ہے کہ قانون کے تحت جرم (توہین) کا تعین ہی نہیں کیا گیا۔ چنانچہ تکنیکی طور پر قانون کی منشائنا معلوم ہے۔ قانون میں یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ توہین یا اہانت کی تعریف کا پہلے سے ادراک اور آگہی ہے بس سزاد یا باقی ہے۔“

2۔ اگر اس قانون کا مسودہ تیار کرنے والوں کے نزدیک مذہبی شخصیات اور شعار کی توہین کرنا ہمارے معاشرے کا چلن ہے تو یہ تصور بالکل غلط اور متنی بر مبالغہ ہے لوگ عموماً اپنے مذہب کا احترام کرتے ہیں تاہم اپنے مذہب کے علاوہ دیگر مذاہب کے بارے اُن کے جذبات و یہے احترام پر متنی نہیں ہوتے۔ دوسرا طرف تارتخ شاہد ہے کہ عصر حاضر میں ان قوانین کے باعث صرف تکفیر کے ملزم افراد کی بڑی تعداد کے علاوہ کچھ حاصل نہیں ہوا۔

3۔ تکفیر کے قوانین میں قدر اور غلطی سے سرزد ہونے والے افعال کے درمیان کوئی فرق نہیں رکھا گیا۔ فوجداری انصاف میں کسی کو مجرم قرار دینے کے لئے نیت (”یعنی کوئی عمل جان بوجھ کرنا“) کو کلیدی حیثیت حاصل ہے اور یہی بنیادی عنصر ان قوانین کے مسودے اور طریقہ کار میں ناموجود ہے۔

4۔ استثنات پوری دنیا میں فوحداری قوانین کا ایک لازمی حصہ ہیں جن کو ان قوانین میں نظر انداز کر دما گیا۔ چنانچہ اپنے عمل کے مبنای اور رویہ عمل سے لاعلم ہنی معدود یا بچے، غیر ملکی شخص یا دیگر عقیدہ کے حامل افراد یا مذہبی رسومات سے بے خبر شخص پاکستان کے قوانین کے تحت اپنے کسی عمل کے باعث تکفیر کا مجرم قرار پا سکتا ہے۔

5۔ ایک طرف تحریرات پاکستان کی دفاتر C-B&C 298 دستور پاکستان اور انسانی حقوق سے متصادم اور ظلم و زیادتی کے واقعات کا باعث ہیں تو دوسری طرف دفاتر C-B 295 اور دفاتر A-C 298 بھی ایک (اکثریت) مذہب پر مرکوز ہیں۔ مذکورہ دفاتر اس لحاظ سے امتیازی ہیں کہ ایک کثیر المذہب معاشرے میں ان کے ذریعے صرف ایک مذہب کو تحفظ دینا مقصود ہے۔

15

6۔ ان قوانین کے ذریعے بھی مدت تک قید، عمر قید اور غیر متناسب سزاۓ موت کی سزا میں مقرر کی گئی ہیں۔ اس خیال کی تائید اقوام متحده میں مذہبی رواداری کے سابق مبصر عبدالغفار عاصمور نے بھی کی تھی۔ بیان کئے گئے جرائم کی نوعیت تصوراتی ہے مثلاً کسی ایسے شخص کی توہین کا جرم جو تنازع میں فریق بھی نہ ہوا اور موجود بھی نہیں۔ مذہبی علماء یا مقدس کتاب کے معاملہ میں کسی کے جذبات مجروح ہو سکتے ہیں کیونکہ ان کے ساتھ انسان کے احترام کے جذبات وابستہ ہوتے ہیں۔ دنیا بھر میں سول قوانین کے تحت ایسے افعال کو قابل سزا قرار دیا گیا ہے تاہم تحریری سزا کی مناسب حد مقرر کرنے کے علاوہ قانون کے غلط استعمال کی روک تھام کو بھی یقینی بنایا گیا ہے۔

الصف کی فراہمی پراثرات

42 1980ء سے قبل مذہب سے متعلق بمشکل 5 مقدمات درج کروائے گئے جبکہ ان قوانین میں تراجمیں کے بعد سینکڑوں افراد کو ایذا رسانی کا سامنا کرنا پڑا۔ 1991ء میں فیڈرل شریعت عدالت نے حکم دیا کہ حضرت محمد ﷺ کے نام کی توہین کی سزا صرف سزاۓ موت ہے۔ چنانچہ اس کے بعد تکفیر کے قوانین کے تحت مقدمات کے اندر اج کی بھرمار ہو گئی۔ قوانین پر عمل درآمد میں معتمد مشکلات کے علاوہ ان کے غلط استعمال ہونے کی بے شمار بھی مثالیں تھیں۔

1۔ تکفیر کے الزامات کے نتیجے میں امن و امان قائم رکھنا انتہائی دشوار ہو جاتا ہے۔ اس الزام کے تناظر میں عوام کے جذبات کو مشتعل کیا جاتا ہے۔ امن و امان کی صورت حال قائم رکھنے کے لئے اور عوامی اشتغال کو ٹھنڈا کرنے کے لئے پولیس کے پاس ملزم کے خلاف مقدمہ درج کر کے اُسے جیل بھینجنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہوتا۔ چنانچہ بغیر تفتیش کے مقدمہ درج کر لیا جاتا ہے۔

2۔ متعدد واقعات میں قانون نافذ کرنے والے اداروں نے تکفیر کے الزامات کے آڑ میں کئے گئے جرائم میں اعانت کی بلکہ وہ پُر تشدد کارروائیوں میں شریک رہے۔ پولیس اہل کاروں کے نزدیک یہ توہین کی پاداش تھی۔ 1997ء میں قرآن پاک کی اہانت کی افوا کے بعد شانتی گمراہ اور بھی کی آبادیوں پر حملہ کے سانحہ میں متعدد پولیس اہل کار حملہ آؤں کا ہاتھ بیار ہے تھے۔

3۔ اس صورت میں عدالتیں ضابطہ کے طریقہ کار پر عمل درآمد کرنے سے بھی قاصر ہیں۔ مثال کے طور پر تکفیر کے الزام کی صورت میں تکفیر پر مناقصہ پڑھنے کی صورت

39۔ دستور پاکستان کی دفاتر 20 اور 25 (مذہبی آزادی اور شہریوں کی مساوی قانونی حیثیت)

40۔ UNICCPR کی دفاتر 18 اور 41

41۔ http://daccess-dds-ny.un.org/doc/UNDOC/G96/100/03/PDF/G96_1003.pdf?OpenElement

42۔ 1995ء میں توہین کی پیشہ کی اشاعت دفاتر C-295 (مصنفوں: پیغمبر جیب، آفتاب مغل)

دوبارہ تکفیر کا اختلال ہوتا ہے۔ چنانچہ وکیل صفائی کے لئے شواہد پر جرح کرنا تقریباً ممکن ہو جاتا ہے جس کے باعث حقائق کے تعین اور ازامات کی جانب سے گریز کیا جاتا ہے۔

4۔ مقدمات کی ساعت کے دوران عموماً کمرہ عدالت مذہبی انتہا پسندوں سے بھرا ہوتا ہے۔ ہر مقدمہ کی ساعت کے دوران مذاہف اور مذاہف کے ذریعے عدالتی کا رروائی اور افراد کو ہر اس کیا جاتا ہے۔ چنانچہ ایسے مقدمات کی ساعت شدید باوے کے زیر اثر کی جاتی ہے۔ 19 اکتوبر 1997ء کو لاہور میں ریٹائرڈ جسٹس عارف اقبال بھٹی کو اُن کے چیمپر میں ہلاک کر دیا گیا جس کا سبب یہ تھا کہ مذکورہ حج نے 1995ء میں دفعہ C-295 کے تحت مقدمہ میں دوستی ملزم ان کو بری کر دیا تھا۔

5۔ ان معاملات میں جوڈیشل کمیشنرنٹاج خیز ثابت نہیں ہوئے علاوہ ازیں حکومتوں نے اس معاملہ میں کسی پیش رفت کا حوصلہ بھی نہیں دکھایا۔ شانتی نگر کے سانحے کے بعد لاہور ہائی کورٹ کے بچ جسٹس تنیر احمد خان کی سربراہی میں کی گئی انکوائری رپورٹ کو حکومت پنجاب آج تک منظر عام پر نہیں لائی۔ اُسی حکومت نے 2009ء میں سانحہ گوجرہ پر جسٹس اقبال حمید الرحمن کی انکوائری رپورٹ پر کوئی کارروائی نہیں کی۔

6۔ دفعہ C-295 کے تحت تاحال کسی ملزم کو پھانسی کی سزا نہیں دی گئی تا ہم 1992ء سے 34 افراد کو تکفیر کے ازامات عائد کرنے کے بعد موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ تکفیر کے قوانین کے ثرات و نتائج اُن کے مقاصد کے برکس نکلے جن کے حصول کے لئے انہیں وضع کیا گیا تھا۔

7۔ تکفیر کے ازامات کے تحت متعدد افراد کو سزاۓ موت کا حکم سنایا گیا تو ایک ہزار سے زائد افراد نے انکوائریوں اور مقدمات کا سامنا کیا ہے۔ تا ہم زیریں عدالت کے دیئے گئے کسی فیصلے کو اعلیٰ عدالتونے برقرار نہیں رکھا۔ یہ امر مذکورہ قوانین کے طریق کار، عمل درآمد اور اس کے مسودہ قانون میں نقائص کا واضح ثبوت ہے۔

چنانچہ تکفیر کے قوانین کی موجودگی بجائے خود مذہب اور قانون کے ساتھ نا انصافی ثابت ہوئی ہے۔ یہ قوانین مذہب کے نام پر انسانی حقوق کی پامالی کا باعث بنے ہیں۔ اقلیتی برادریوں کو سماجی تہائی کا شکار کرنے، بلوٹ مار اور ان کی املاک کو نذر آتش کرنے، انہیں غیر منصفانہ اور طویل مقدمات میں الجھانے کے لئے ان قوانین کا استعمال کیا گیا ہے علاوہ ازیں ان قوانین کے باعث ہزاروں افراد کو نقل مکانی پر مجبور کر دیا گیا۔

2011ء میں آسیہ بی بی کے مشہور زمانہ مقدمہ کے علاوہ 1 احمدی اور 1 ہندو بکہ 23 مسلمان خواتین پر تکفیر کے ازامات عائد کئے گئے۔ قومی کمیشن برائے امن و انصاف کے جمع کئے گئے اعداد و شمار کے مطابق ستمبر 2011ء تک 1081 افراد کو تکفیر کا مورود الزام ٹھہرایا گیا جن میں سے 468 مسلمان، 454 احمدی، 138 مسیحی اور 21 ہندو شہری تھے۔

ان قوانین کے باعث پاکستان اور بالخصوص مذہبی اقلیتوں کی سماجی زندگی کو ناقابل کافی نقصان پہنچا ہے۔ اقلیتی خواتین برائے امن و انصاف اور بالواسطہ ان امتیازی قوانین کی متأثر ہیں۔

5.4۔ عالی قوانین اور اقلیتی خواتین

مذہبی اقلیتوں کے نکاح سے متعلق دیوانی معاملات طلاق وغیرہ کے معاملات کو جن تو انین کے تحت نہیں پاچاتا ہے انہیں عالمی تو انین کیا جاتا ہے۔

کر سچن میرج ایکٹ 1872 (The Divorce Act 1869) وورس ایکٹ (Christian Marriage Act 1872)، دی ڈائی وورس ایکٹ (Divorce Act 1869)، دی ڈائی وورس ایکٹ (The Parsi Marriage Rules 1927)، دی پارسی میرج اینڈ ڈائی وورس ایکٹ 1936 (Indian Divorce Rules 1927)، دی ہندو ڈیوڈز میرج ایکٹ 1936 (Hindu Widows Marriage Act 1856) and Divorce Act 1936، دی ہندو ڈیوڈز میرج ایکٹ 1946 (The Hindu Marriage Disabilities Removal Act 1946)، دی ہندو ڈیوڈز ویختز رائمس لوس سپر یت ریز ڈینس (The Hindu Married women's Right to Separate Residence and Maintenance) 1946، دی آنند میرج ایکٹ 1909 (The Budhist Law) 1909، بدھست لا (The Anand Marriage Act 1909)، اور آریا میرج جولی ڈیشن ایکٹ 1909 (The Arya Marriage Validation Act 1931) 1909

علمی قوانین سے جڑے مسائل

1- مسیحیوں کے نکاح کے معاملہ میں پیش آنے والے کلیدی مسائل کا تعلق و راثت اور بچوں کی تحویل کے معاملات ہیں۔ مقصود مطالبات کے باوجود پاکستان میں ایک بار بھی ان قوانین پر نظر ثانی نہیں کی گئی۔ ان قوانین کی قدامت کا اندازہ یوں لگایئے کہ ان کا نفاذ قیام پاکستان سے قبل کیا گیا تھا۔ اُس وقت تک انسانی حقوق کے معیارات کا تعین بھی نہیں کیا گیا تھا چنانچہ تو انیں غیر ضروری قانونی پیچیدگیوں اور انسانی حقوق کی پالیوں کا باعث ہیں۔

مثال کے طور پر کریکٹ ڈائیورس ایکٹ 1869 (The Christian Divorce Act 1869) میں تنخواح کے معاملہ میں مسیحی مرد کے مقابلہ میں مسیحی عورت کو مساوی حق اور اختیار حاصل نہیں ہے۔ اقلیتی برادریوں کے عائلی قوانین میں علیحدگی اختیار کرنے یا تنخواح کے معاملہ میں افراد کو چند اس اختیار و انتخاب کا حق حاصل نہیں ہے۔⁴³

اس پیچیدگی کی ذمہ داری پارلیمنٹ میں مذہبی اقلیتوں کے نمائندوں پر ڈال دی جاتی ہے۔ دوسری طرف اقلیتی ارکان اسمبلی کی تعداد اتنی قلیل ہے کہ وہ کوئی قانون متعارف کروانے اور اس پر موثر طور پر اثر انداز ہونے کی حیثیت نہیں رکھتے۔ تو انہیں پر نظر ثانی کرتے ہوئے ان کو جدید تقاضوں کے مطابق ڈھانے کے ذمہ دار ادارے لا اینڈ جسٹس کمیشن⁴⁴ نے بھی کوئی اقدام نہیں کیا۔

2- اسلامی قانون سازی کے غالب اثر کے باعث مذہبی اقليتوں کے عالمی قوانین غیرفعال ہو کر رہ گئے ہیں۔ مثال کے طور پر مسیحی نکاح کی تنتیخ کا کلیدی جواز زنا ہے۔ جنکے حدود قوانین (زنا آردنیس VII 1979) کے مطابق زنا ایسا جرم ہے جس کی سزا سنگاری قرار دی گئی ہے۔ بعد ازاں اس جرم کی سزا 25 سال مقرر کر دی گئی (وین پر ڈیکشن ایکٹ 2006)۔ چنانچہ ریاست کے قوانین کے باعث تنتیخ نکاح کے لئے مسیحی اپنے عالمی قوانین کی طرف رجوع نہیں کرتے۔ مستراد پر ہے

10-ڈائیورس ایکٹ 1869ء، دفعہ

<http://www.licp.gov.pk/> -44

۱۰-۱۸۶۹ء، فوج ۴۵، ایکٹہ، اسپورس

کہ حدود قوانین 1979ء اور قانون شہادت 1984ء کی تشریح کے مطابق عدالت میں غیر مسلم شہری کی گواہی کی حیثیت مسلمان شہری کے مقابلہ میں کم کر دی گئی۔

3۔ اس سلسلہ میں تیرامسئلہ اسلام قبول کرنے کی آڑ میں مذہبی اقلیتوں کے عائی قوانین کو غیر موثر بنا کر اپنے مقاصد کا حصول ہے۔ بے شمار مسیحی اور ہندو لڑکیوں (عموماً کم سن) اور عورتوں کواغوا کر کے اسلام قبول کروالیا گیا اور قانون میں اس کا کوئی شافی علاج نہیں۔

4۔ ہندوؤں، سکھوں اور دیگر برادریوں کے عائی قوانین پر قانون سازی کو نظر انداز کیا گیا۔ مناسب عائی قوانین کی غیر موجودگی میں ہندوؤں کے نکاح کی رегистریشن، قومی شناختی کارڈ اور پاسپورٹ کے حصول اور اُس میں تبدیلی کے حق سے انحراف کیا گیا ہے۔

2008ء میں ایک قانون متعارف کروایا گیا جس کے باعث سکھ برادری کے نکاح اور ذوجین کی حیثیت کا اندر ارج کیا جاسکتا ہے تا ہم مناسب قانون سازی نہ ہونے کے باعث اب بھی بے شمار مسائل ہیں۔

5.5۔ اطلاقی مذہبی امتیاز

تبدیلی مذہب

آئینی و قانونی لحاظ سے پاکستان میں مذہب تبدیل کرنے پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ تا ہم پاکستان میں مذہب تبدیل کرنے سے مراد اسلام قبول کرنا ہے۔ اسلام چھوڑ کر دیگر مذہب اختیار کرنے والے کو مرد قرار دیا جاتا ہے جس کی شریعت میں سزا موت ہے۔

قومی کمیشن برائے امن و انصاف کے اکٹھے کردہ اعداد و شمار کے مطابق 1999ء سے 2004ء تک 762 غیر مسلم افراد نے اسلام قبول کیا۔ یہ اعداد و شمار لا ہور سے شائع ہونے والے چار اخبارات میں روپورٹ کئے گئے واقعات سے اکٹھے کئے گئے ہیں⁴⁶۔ تا ہم اس دوران اسلام سے کوئی دیگر مذہب اختیار کرنے کا کوئی واقعہ روپورٹ نہیں ہوا۔ اقلیتی برادری کے ارکان غیر قانونی/دوسری یا خاندان کی مرضی کے خلاف نکاح کرنے کی غرض سے بھی اسلام قبول کر لیتے ہیں۔

مکفیر کے ملزم کا قبول اسلام

☆ 1994ء میں ساتویں جماعت کی مسیحی طالبہ کیرل پر مکفیر کا الزام عائد کیا گیا۔ الزام اور اُس کے دیگر ممکنہ مسائل سے بچنے کے لئے اڑکی نے اسلام قبول کرنے میں عافیت جانی۔⁴⁷

☆ نبیر پختونخواہ کے ضلع صوابی میں ایک واقعہ میں مکفیر کی ایک ملزم ہندو عورت لکشمی نے جیل میں چیف جسٹس پشاور کے دورے کے دوران اسلام قبول کر لیا۔ چیف جسٹس نے لکشمی کے اس فعل کی ستائش کی۔

46۔ قومی کمیشن برائے امن و انصاف کی شائع کردہ ”بائزہ انسانی حقوق“، 2005ء

47۔ قومی کمیشن برائے امن و انصاف کی تیجی فائیڈ گر پورٹ

اغوا اور نکاح کے بعد تبدیلی مذہب

متعدد واقعات میں مسیحی، ہندو، سکھ خواتین بشمول کم سن لڑکیوں کو اغوا کر کے قبول اسلام کرو اکر ان سے نکاح کر لیا گیا۔ ان لڑکیوں کے مذہب تبدیل کرنے کے بعد خاندان سے اُن کا تعلق اور رابطہ ختم کروادیا جاتا ہے۔

اغوا کنندگان سے خوف زدہ اقلیتی عورتیں یا کم سن لڑکیاں عدالت میں بھج کے سامنے بیان دیتی ہیں کہ انہوں نے اپنی آزاد مرضی سے اسلام قبول کیا ہے۔ ایسے واقعات میں اکثریتی برادری سے تعلق رکھنے والی پولیس اور انتظامیہ سماجی و معاشری اثر رسوخ رکھنے والے ملزمان کے مفادات کا تحفظ کرتی ہے۔ زیریں عدالت میں عموماً حالات کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے، مثلاً خاندان سے جدا ہونا، جرم کا پہلو، مذہب تبدیل کرنے والی کی عمر وغیرہ۔ چنانچہ ان لڑکیوں کی آزاد مرضی جانے کے لئے محفوظ ماحول، صورت حال اور خود اعتمادی کی فضامہیا کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی جاتی۔

مندرجہ ذیل مثالیں پیش خدمت ہیں۔

☆ 1997ء میں راولپنڈی میں مقامی مجسٹریٹ نے تین بہنوں (15 سالہ نادیہ، 13 سالہ نعیمہ اور 11 سالہ نبیلہ) کو مذہب تبدیل کرنے کی بنا پر ان کے مسیحی والدین کے حوالے کرنے کی بجائے ان کے مسلمان بھائیوں کے حوالے کرنے کا حکم دیا۔ قبل ازاں لڑکیوں کے والدین نے عدالت میں اپنی بیٹیوں کے اغوا کے جانے کی شکایت درج کروائی تھی۔ ستم طریقی تو یہ ہے کہ قانون بچوں کے مذہب تبدیل کرنے کی صورت میں بھی والدین کو اپنے بچے اپنے ساتھ رکھنے کے حق سے محروم نہیں کرتا۔

☆ 2003ء میں نیبراجنہی میں آفریدی قبیلے کے ایک شخص نے 6 سالہ سکھ لڑکی ہر و ندر کو کو اغوا کر لیا۔ قبیلے کا موقف تھا کہ لڑکی نے چونکہ اسلام قبول کر لیا ہے چنانچہ اُس کو غیر مسلم والدین کے حوالے نہیں کیا جاسکتا۔ حکومت لڑکی کو برآمد کروانے میں کچھ نہ کر سکی۔⁴⁸

☆ میر پور خاص سندھ میں 13 سالہ ہندو لڑکی ماشو سے اسلام کروالیا گیا۔ لڑکی کو اغوا کرنے والے نے اُس کا نام تبدیل کر کے مریم رکھا۔ اغوا کنندہ نے لڑکی سے نکاح کر لیا۔ عدالت نے حالات اور نیت کو نظر انداز کر دیا اور محض لڑکی کی مرضی کی بنا پر نکاح کی توثیق کر دی۔ پولیس نے لڑکی کے مذہب تبدیل کرنے کی بنا پر والدین کو اُس سے ملنے کی اجازت نہ دی۔⁴⁹

☆ 2005ء میں کراچی میں تین ہندو لڑکیوں (21 سالہ رینا، 19 سالہ اوشا اور 17 سالہ ریما) کو ان کے گھر سے اغوا کر لیا گیا۔ لڑکیوں کے والدین نے پڑوستی لڑکوں کے خلاف اغوا کا مقدمہ درج کروایا۔ پولیس نے لڑکوں کو گرفتار کر لیا تاہم بعد ازاں انہیں چھوڑ دیا گیا۔ کچھ روز بعد والدین کو معلوم پڑا کہ ان کی بیٹیاں ایک دینی مدرسے میں مقیم ہیں۔ والدین کو یقین تھا کہ ان کی بچیوں کو اغوا کر کے جری طور پر اسلام قبول کروالیا گیا تھا۔ سپریم کورٹ نے پولیس کو حکم دیا کہ لڑکیوں کو تحفظ فراہم کر کے ایڈھی ہوم منتقل کیا جائے۔⁵⁰

48۔ قوی کیشن برائے امن و انصاف، لاہور کی اقیتوں پر شائع کردہ رپورٹ 1998ء، جائزہ انسانی حقوق 2004ء،

49۔ کرچن واؤس کراچی 22 جنوری 2005ء،

50۔ روز نامہ ان 3 دسمبر، روز نامہ یونیورسٹی ناگر 17 دسمبر 2005ء،

اقدامات

مذہبی اقلیتوں کی بہت پست کرنے اور دیگر برادریوں کے ساتھ ان کے سماجی تعلقات میں رکاوٹ بننے والے عوامل کا ازالہ کرنے کے لئے قانون سازی یا انتظامی سطح پر کوئی سنجیدہ کوشش نہیں کی گئی تاہم مندرجہ ذیل میں ان قوانین کے بادستعمال اور عالیٰ عدالت کی جانب سے کچھ تلافسی اور چارہ کرنے کی مثالیں پیش خدمت ہیں۔ ایک ہندو لڑکی نیلم نے مبینہ طور پر ایک مسلمان لڑکے امجد سے نکاح کر لیا۔ نکاح کی اجازت زیریں عدالت نے دی۔ نیلم کے باپ نے عدالت کے اس اختیار کو چیلنج کر دیا۔ 25 مئی 2006ء کو چیف جسٹس آف پاکستان چوہدری محمد افتخار نے ایک دلچسپ فیصلہ سنایا۔ عدالت نے اپنا سرپرستی کا حق استعمال کرتے ہوئے لڑکے کے خاندان کو لڑکی کے تحفظ کے ضمن میں 15 لاکھ روپے شورٹی باعث یا ضمانت جمع کروانے کا حکم دیا۔ سپریم کورٹ نے لڑکے کے خاندان کو تاکید کی کہ لڑکی کو وقتاً فوقاً فتاً اپنے خاندان سے ملنے دیا جائے۔⁵¹

عدالت کے اس فیصلہ میں مسائل کا اندازہ کرتے ہوئے دو امر طے ہوئے۔

1۔ بین المذاہب نکاح (عقد) کی صورت میں اقلیتی عورتوں کو تشدد وغیرہ سے تحفظ کی ضرورت ہے۔ نیزاپی فلاج و بہبود اور نقل و حرکت پر پابندیوں سے تحفظ کی ضرورت ہوتی ہے۔

2۔ تبدیلی مذہب کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ اس شخص کا رشتہ اپنے خاندان سے ٹوٹ گیا۔

5.6۔ عقد ثانی (دوسرانکاح)

مسمات کندن مایا نام سرکار کے مقدمہ میں وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے میں اس اصول کی وضاحت کی گئی کہ ایک غیر مسلم شادی شدہ عورت کے اسلام قبول کرنے کے بعد اسے دوسرے نکاح سے قبل عدت (تین ماہ) کی مدت گزارنی لازمی ہے۔

علاوه ازیں سردار مسیح بنام حیدر مسیح کے مقدمہ اور فاطمہ بی بنام ایس ایچ او (SHO) تھانہ اچھرہ، لاہور کے حالیہ مقدمہ میں لاہور ہائی کورٹ کے جسٹس خواجہ محمد شریف نے اس فیصلہ کو برقرار رکھا کہ غیر مسلم عورت کے اسلام قبول کرنے کے باعث اس کا مسیحی نکاح تحلیل نہیں ہوتا۔ چنانچہ عدالت نے حکم دیا کہ غیر مسلم عورت اسلام قبول کرنے کے بعد اپنے شوہر کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دے۔

متذکرہ بالا کیس سے واضح ہے کہ عالیٰ عدالت نے متعدد فیصلوں میں تبدیلی مذہب کے تناظر میں عائلی قوانین کے باعث ہونے والی نافاضیوں کا ادراک کرتے ہوئے فیصلے دیئے ہیں۔ تاہم عدالتی فیصلے اور ان کی نظیر مناسب قانون سازی کا بدل نہیں ہو سکتی۔

5.7۔ قانون و راثت

وراثت کے معاملات کو بنیادی طور پر وراثت ایکٹ 1925ء کے تحت نمایا جاتا ہے۔ اس کی دفعہ 3 کے تحت صوبائی حکومت کو کسی بھی نسل یا قبیلے کو اس ایکٹ سے چھوٹ دینے کا اختیار حاصل ہے۔ پاکستان میں احمدی برادری کو یہ چھوٹ حاصل ہے تاہم عمومی طور پر وراثت کے قانون پر عملدرآمد ایک شخصی چناؤ ہوتا ہے۔

عدالت کے ایک حکم کے مطابق وراثت میں مسیحی مرد اور عورت کا مساوی حصہ ہے۔ تاہم اس کے نفاذ کے لئے ایسی قانون سازی کی ضرورت ہے۔ جس کے ذریعے

51۔ روزنامہ پاکستان 26 مئی 2006ء

52۔ پاکستان لادا ایجنسٹ 1998ء، وفاقی شرعی عدالت 89

53۔ پاکستان لادا ایجنسٹ 1988ء

54۔ پاکستان لادا ایجنسٹ 2005ء، لاہور 126

55۔ پاکستان لادا ایجنسٹ 1992ء (SC835)

رسم و رواج میں توازن برقرار رہے اور صرف مسیحی خواتین کی بجائے یہ مساوی حق تمام خواتین کو حاصل ہو۔

5.8۔ مذہب کالازمی اندر ارج

پاسپورٹ اور قومی شناختی کارڈ کے درخواست فارم میں تمام شہریوں کے لئے لازمی ہے کہ وہ اپنے مذہب کا اندر ارج کریں۔ پاکستانی پاسپورٹ میں ایک خانہ میں شہری کا مذہب بھی درج ہوتا ہے۔ یہ مشق مذہبی تعصّب اور امتیاز کا ایک ذریعہ ہے۔

1992ء میں حکومت نے قومی شناختی کارڈ میں مذہب کا خانہ شامل کرنے کی کوشش کی۔ تاہم اس فیصلے کے خلاف ملک گیر احتجاج کے باعث حکومت کو اپنا فیصلہ واپس لینا پڑا۔ دوسری طرف 2002ء میں مذہبی سیاسی جماعتوں کے دباؤ کے زیر اثر مشرف حکومت نے پاسپورٹ میں مذہب کا خانہ متغیر کروادیا۔





میرے خیال کے مطابق

مسز پینٹو ایڈوکیٹ

31 سالہ تاجر پر رکھنے والی مسز پینٹو کالت کے پیشے سے نسلک ہیں۔ تدریس کا 10 سال کا تجربہ ہے علاوہ ازیں یونیورسٹی لاکانج کوئٹہ میں بھی دوسال پڑھاتی رہی ہیں۔ ایم۔ اے انگلش لٹریچر اور ایل ایل بی میں انہوں نے بلوجستان یونیورسٹی سے گولڈ میڈل حاصل کئے۔ 1992ء میں حکومت پاکستان کی طرف سے انہیں فیڈرل ایڈواائزری کنسل فار مینار ٹیز برائے اقلیتی امور کا کرن منتخب کیا گیا۔ انہوں نے غیر سرکاری تنظیموں (NGOs) میں لیگل سیل کے انچارج اور ڈائریکٹر کے طور پر بھی خدمات سرانجام دی ہیں۔ علاوہ ازیں وہ کراچی کرائسٹ دی کنگ سینزی میں بھی بطور پلکھر خدمت انجام دیتی رہی ہیں۔

مسز آسیہ ناصر، رکن قومی اسمبلی

مسز آسیہ ناصر سیاست اور تدریس کے ساتھ وابستہ ہیں۔ وہ قومی اسمبلی کی رکن ہیں۔ انہوں نے انگلش لٹریچر اور ایجکیشن میں ایم۔ اے کر رکھا ہے۔ وہ دوسری بار رکن اسمبلی منتخب ہوئی ہیں اور ان کی سیاسی وابستگی جمیعت علماء اسلام سے ہے۔ شہباز بھٹی کے قتل کے بعد قومی اسمبلی میں ان کے تعزیتی اجلاس میں آسیہ کی تقریر کے باعث بہادری اور صاف گوئی کے حوالہ سے انہیں ساری دنیا میں جانا جاتا ہے۔



پشاپکماری

پشاپکماری نے 1997ء میں سندھ ایگر پلکھر یونیورسٹی ٹاؤن جام سے اینٹومولوژی (Entomology) میں ایم ایس سی آرزر کی ڈگری حاصل کی۔ وہ مختلف تنظیموں کے

ساتھ کام کر رہی ہیں۔ انہوں نے تو میں وہیں الاقوامی فورمز پر پاکستانی ہندو خواتین کی نمائندگی کی ہے۔ جولائی 2008ء میں انہوں نے بنا کی میں منعقدہ ایشین دلت رائٹس ٹریننگ میں شرکت کی۔ وہ پاکستان دلت سولیڈیری نیٹ ورک (Pakistan Dalit Solidarity Network) کی رکن ہیں علاوہ ازیں وہ شیدیوں کا سٹ رائٹس مومنٹ کی سرگرم رکن ہیں۔

اس تحقیقی مطالعہ میں کی گئی بحث کو مزید جامع بنانے کے لئے اقلیتی خواتین کے چند انترویو شامل کئے گئے۔ پاکستان میں اقلیتی خواتین کے مسائل کے حوالے سے تین معروف اور اہم عہدوں پر کام کرنے والی اقلیتی خواتین کے نقطہ ہائے نظر کا خلاصہ پیش خدمت ہے۔

سماجی تحفظ، قانونی حقوق اور انصاف

پاکستان میں حقوق صرف کتابوں تک ہیں۔ عمل درآمد کا فقدان شدید ہے۔ حقوق کب اور کتنے میں یہ محض حکام کی نظر کرم پر مخصر ہے۔ تکفیر کے قوانین اور دیگر امتیازی قوانین کے باعث اقلیتی خواتین میں خوف اور اجنبيت کے رویے پرورش پار ہے ہیں۔

اقلیتی خواتین کو عموماً مقام کاروباریہ پر جنسی ہراسانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اکثریتی برادری کے بعض افراد اقلیتی خواتین کو اپنے مذہب میں شامل کرنے کے لئے مجبور کرتے ہیں۔ اس سلسلہ میں اگر اقلیتی عورت شکایت درج کر دے تو اس کو زیر دہار کرنے کے لئے پولیس کا استعمال کیا جاتا ہے۔ پولیس عموماً طاقت و فریق کا ساتھ دیتے ہوئے کمزور کو خاموش کروانے کے لئے منفی کردار ادا کرتی ہے۔ دوسرا طرف نظام انصاف بھی مذہبی اور دیگر تعصبات سے اٹا پڑا ہے۔ متاثرہ خاتون کے خاندان وائلے کہ کراؤں کی حوصلہ شکنی کرتے ہیں۔ ”تمہاری کون سُنے گا؟“ ”تمہارا کون یقین کرے گا؟“۔ عدالتوں میں شوہد کی کمی کے باعث ان عورتوں کے مقدمات کمزور پڑ جاتے ہیں۔ جہاں تک قانون شہادت اور حدود قوانین کا تعلق ہے عورت کی گواہی مرد کے مساوی نہیں۔

پوری آبادی یا برادری کو رسائی اور حقارت سے دوچار کرنے کے لئے بھی اقلیتی خواتین کو جنسی تشدد کا شکار بنایا جاتا ہے۔ پولیس اور عدالیہ میں ذات برادری کے تعصبات کے باعث اقلیتی خواتین کے خلاف جرائم کرنے والوں کو فی الواقع تحفظ مل جاتا ہے۔

عائی قوانین اور اُن کے استعمال کی متعدد صورتوں میں اس قدر ابہام ہے کہ عدالتوں کو بھی تنخ نکاح جیسے معاملات میں انصاف فراہم کرنے میں دشواری کا سامنا ہوتا ہے۔ مسیحیوں کے عائی قوانین پر ایک عرصہ سے نظر ثانی نہیں کی گئی اور اُن قوانین میں مسیحی خواتین کے حقوق کے بارے کوئی وضاحت نہیں کی گئی۔ ہندو خواتین اس معاملہ میں مزید بے بس ولاچار ہیں کہ ان کے نکاح کا کوئی مناسب قانون ہی موجود نہیں۔

معاشری مسائل

بچوں اور گھر یا ضروریات کو پورا کرنے کے لئے اقلیتی خواتین کو کھیتوں میں مزدوری کے علاوہ دیگر چھوٹے کام کرنے پڑتے ہیں۔ ایسی صورت میں اگر خاتون کا شوہر

نشے کا عادی ہو تو حالات بدترین ہوتے ہیں۔ معاشری ناہمواری اور اراضی ملنے کے موقع سے محروم رہنے والی یہ اقلیتی خواتین (جن میں سے اکثریت دیہات میں سکونت پذیر ہے) عموماً کم ترین اجرت پر کام کرتی ہیں۔

سماجی و شہری حقوق

عمومی طور پر سیاست کے بارے خواتین کی تفہیم سنی سنائی بے ربط با توں پڑتی ہے۔ دوسری طرف سیاسی جماعتوں کی طرف سے انہیں قومی دھارے میں شامل کرنے میں دلچسپی کا اظہار نہیں کیا جاتا۔ مخلوط انتخابات کی بحالی کے باعث کسی حد تک اس کی تلاشی ہوئی تاہم اقلیتوں کو پاکستان میں مساوی سیاسی حقوق حاصل نہیں ہیں۔ آج بھی اپنی کمزور معاشری اور سماجی حیثیت کے باعث اقلیتی امیدوار کے لئے عام نشست پر انتخابات میں حصہ لینا ممکن نہیں۔

سماجی ماحدوں ایسا ہے کہ سیاسی اداروں تک خواتین کی رسائی نہیں۔ علاوه ازیں معاشرے میں خواتین کے خلاف تشدد کی مختلف صورتیں، ہر انسانی اور ذات پات کی بنیاد پر جبرا اور زبردستی جیسے عوامل اُن کی قومی و معاشرتی زندگی میں بھر پور شراکت کی راہ میں حائل ہیں۔

سماجی و ثقافتی تعصبات

اقلیتی خواتین کو اپنی عام اور ذاتی زندگی کے پہلوؤں میں منظم جب و زیادتی کا سامنا ہوتا ہے۔ معاشرے میں ہر سطح پر ذات پات کا نظام، خاندان اور معاشرہ میں قیادت پر مردانہ اجارداری مذہبی تعصب اور کاماحول غالب ہے۔ منقسم معاشرے کے اس ماحدوں میں ایک پست اور ذیلی کلپر کی حامل ہونے کے باعث اقلیتی خواتین کی زندگی اجیرن ہوتی ہے۔ متعدد اسلامی رسومات اور رواج غیر محسوس طریقے سے اقلیتوں کی ثقافت کا حصہ بنتے چلے جا رہے ہیں۔

تجاویز

- ریاست ایسا قومی لائچ تشكیل دے کہ جس کے باعث ریاست میں مذہبی و ثقافتی تنوع کے احترام پڑتی رہے فروغ پائیں اور فیصلہ سازی کے عمل میں اقلیتی خواتین کی موثر شراکت کے عمل کو یقینی بنایا جائے۔ مذہب اور فرقے کی بنیاد پر نفرت کے خاتمے اور سماجی انسانی روابط کے فروغ کے لئے تام فریقین کام کریں۔
- ہندوؤں کے مذہبی تہواروں (ہولی، دیوالی، شوراتی، جماعتی) پر عام تعطیل ہونی چاہئے۔ اقلیتوں کے لئے عید پیکیج (معاشی امداد) ہونا چاہیئے۔
- ریاست اور سیاسی جماعتیں قومی و صوبائی اسمبلیوں اور سینٹ میں اقلیتی خواتین کی موزوں نمائندگی کو یقینی بنائیں۔ سیاسی جماعتوں کو پابند کیا جائے کہ وہ کچھ اقلیتی خواتین کو کٹ جاری کریں اور انہیں پارٹی کے عہدوں پر فائز کیا جائے۔
- رویوں کی تبدیلی میں سماجی تعلیم نہایت اہم کردار ادا کرتی ہے۔ ریاست شہریوں کو مساوی بنیاد پر تعلیم فراہم کرے۔ ریاست تمام دستیاب وسائل کا استعمال کرتے ہوئے ذات اور صنف کی بنیاد پر امتیاز کو ختم کرے۔
- ہندوؤں کے قانونی، سماجی اور خاندانی مسائل کے حل کے لئے ہندو زنا کو جریز کیا جائے۔
- قانون کی حکمرانی، انصاف کی فراہمی اور پولیس کی کارکردگی بہتر بنانے کے لئے پولیس کے نظام میں اصلاحات کی جائیں۔

- نوکریوں میں 10٪ کوٹا خواتین کے لئے مخصوص کیا جائے جس میں اقلیتی خواتین کو مناسب حصہ دیا جائے۔
- تعلیم کے حصول کے لئے اقلیتی خواتین کو وظائف دیئے جائیں۔

حاصل بحث

اقلیتی خواتین کے حقوق کی صورت حال کی نقشہ گری بہت سے حوالوں سے ایک مشکل کام تھا۔ اقلیتی خواتین کی سماجی و معاشری صورت حال پر کوئی سرکاری دستاویز اور اعداد و شمار موجود نہیں چنانچہ سروے میں بیان کردہ رائے اور اعداد و شمار کی صحت کی جانچ میں مشکل پیش آئی۔ 1998ء کی افراد شماری میں تعلیم، محنت، روزگار وغیرہ کے تناظر میں اقلیتوں کے متعلق کوئی اعداد و شمار موجود نہیں۔ پاکستان اکنام سروے جیسی دیگر روپریس میں بھی پاکستان کی اقلیتی خواتین کی معاشری، سیاسی و سماجی حیثیت پر کوئی الگ سے معلومات فراہم نہیں کی گئیں۔

انسانی حقوق کے عالمی منشور (UDHR) اور سیڑا (CEDAW) کے تناظر میں اقلیتی خواتین کی سماجی و ثقافتی حالت کے بارے اعداد و شمار پر متنی ڈیٹا گواہیت کا حامل تھا تاہم اس ضمن میں کوئی سرکاری دستاویز نہ ہونے کے باعث اس سے موازنہ ممکن نہ تھا۔

سروے کے نتائج سے واضح ہے کہ اقلیتی خواتین خواندگی اور صحت کی سہولیات کے ضمن میں نہایت پست حال ہیں۔ 60% خواتین غیر معیاری پانی کے باعث صحت کے مسائل سے دوچار ہیں۔ اُن کی معاشری حالت غیر تسلی بخش ہے۔ تین چوتھائی سے زائد خواتین کچھ بچانے کی سکت نہیں رکھتیں جس سے مراد یہ ہے کہ کسی ایسا جنسی صورت حال سے نہیں کے لئے اُن کے پاس پوچھی نہیں ہے۔ خواتین کی اکثریت ایک پاؤ دکترون پر مشتمل گھر میں رہائش پذیر ہیں جبکہ اکثریت کے افراد خانہ کی تعداد 5 سے 10 ہے۔

اقلیتی خواتین کو مقام کارا اور تعلیمی اداروں میں امتیاز کا سامنا ہے۔ عدالت میں گواہی وغیرہ کے تناظر میں اُن کی حیثیت کمتر ہے اور جری تبدیلی مذہب اور جری نکاح جیسے واقعات کے سامنے وہ بے بُس ہیں۔ انہیں سیاسی عمل میں شرکافت سے محروم رکھا جاتا ہے علاوہ ازیں انہیں اعلیٰ سرکاری منصب (جو اقلیتی خواتین قانون کے تحت حاصل کر سکتی ہیں) کے لاائق بھی نہیں سمجھا جاتا۔ ثقافتی دباؤ کے باعث اقلیتی خواتین کی کم تر حیثیت مزید نکلیں ہو جاتی ہے۔

اس ضمن میں ریاست کے قوانین پر نظر ثانی کی ضرورت ہے جس پر ”خواتین اور قوانین“ کے باب میں قوانین میں متعدد نقص اور عدم مساوات کی نشان دہی کی گئی جو انسانی حقوق بالخصوص اقلیتی خواتین کے حقوق سے متصادم ہیں۔ علاوہ ازیں بین الاقوامی معاهدات اور اعلامیہ جات کے تناظر میں بھی اقلیتی خواتین کی زندگی حقوق سے عاری ہے۔

اقوام متحدہ کے متعدد معاهدات کی تویش اور خواتین کے خلاف امتیاز کے خاتمے کے معاهدے (CEDAW) کو نافذ اعمال کرنے کے باوجود خواتین بشرط اقلیت خواتین کی حیثیت میں کوئی بہتری نہیں آئی جو عالمی معاهدات پر عمل درآمد سے گریز کی علامت ہے۔ دستور پاکستان اور ریاست کی پالیسیوں میں بھی اقلیتی خواتین کی بہبود کا کوئی پہلو موجود نہیں۔

معاشرے میں مساوی حقوق اور موقع کی بنیاد پر اہم کرتے ہوئے محنت مند سماجی تعلقات اور سماجی، ہم آہنگ کا حصول مساوات اور انصاف کے بغیر ممکن نہیں۔ ایسا ممکن بنانے کے لئے ریاست کے قوانین کو امتیازات سے پاک کرنا ہوگا۔ تاکہ ان کے ذریعے تمام شہریوں کی حیثیت برابر ہے اور تمام شعبہ ہائے زندگی مثلاً صحت، تعلیم، روزگار وغیرہ میں مساوی موقع اور تحفظ ملے۔ کسی فرد کے ساتھ اُس کے مذہب کی بنیاد پر امتیاز نہ بتاجائے جس کی اس مطالعہ میں وکالت کی گئی ہے۔

اس تحقیقی مطالعہ میں معاشرے میں اپنانیت، گنجائش اور قبولیت کے فقدان کی نشان دہی کی گئی ہے جس کا حل رپورٹ میں بیان کئے گئے تحریفات کو دور کرنے میں پہاڑ ہے۔ بیان کردہ طریق سے معمولی انحراف بھی انصاف اور مساوات پر من پر امن معاشرے کی تشکیل کے خواب کی شکستگی کی صورت نکلے گا۔

پاکستان میں اقلیتی عورت ہونا درحقیقت ایک پست حال زندگی گذارنے کا تجربہ ہے۔ معمولی شرح خواندگی، غیر تسلی بخش سماجی و معاشری صورت حال، سماجی و ثقافتی اور مذہبی تعصب سے دوچار صورت حال کا ناقضاء ہے کہ معاشرے کے تمام فریق ان عوامل کو ہنگامی بنیادوں سنجیدگی سے عمل کریں۔ تاحال اقلیتی برادری کی صورت حال میں بہت زیادہ بہتری کی اشتمال ضرورت ہے جبکہ اس صورت حال میں سرکاری سطح پر کوئی سنجیدہ کوشش نظر نہیں آتی۔

سفرارشات

اس مطالعہ کے اختتام پر قومی کمیشن کی جانب سے مندرجہ ذیل سفارشات پیش کی جاتی ہیں۔ خواتین کے خلاف ہر قسم کے امتیازات کے خاتمے CEDAW اور انسانی حقوق کے دیگر معاهدات کے فریق ریاست ہونے کے تناظر میں پاکستان میں مندرجہ ذیل سفارشات پر ہنگامی بنیادوں پر عمل کیا جائے۔

8.1 افراد شماری

اقلیتی خواتین کے بارے کوئی اعداد و شمار موجود نہیں۔ یہ معلومات اُن کی سماجی، معاشری اور سیاسی حیثیت اور ترقی کے بارے جائزہ (جانش) کے لئے نہایت اہم ہیں۔ ہم حکومت پاکستان (کمیشن برائے افراد شماری) سے مطالبہ کرتے ہیں کہ اقلیتی خواتین سے متعلق تمام ضروری اعداد و شمار الگ سے بنائے جائیں۔

8.2 معنی خیز فیصلہ سازی

اقلیتی خواتین کی درست حیثیت کا اندازہ لگانے کے لئے حکومتی اور غیر سرکاری ادارے، صوبائی اور وفاقی سطح پر سروے اور تحقیق کا اہتمام کریں۔ تاکہ اقلیتی خواتین کی حیثیت میں بہتری لانے اور اُسے قومی دھارے میں شامل کرنے کے لئے سرکار کو پالیسیوں کی تشكیل اور منصوبہ بندی میں سہولت کاری ہو سکے۔

8.3 اقلیتی خواتین کی قومی دھارے میں شمولیت

☆ اقلیتی خواتین کو معاشرے میں شامل کرنے کے لئے ہر سطح پر اُن کی سیاسی شراکت نہایت اہم ہے۔ سیاسی جماعتوں کے منشوروں میں ایسے اقدامات کئے جائیں کہ بلدیاتی اداروں، سینٹ، قومی و صوبائی اسمبلیوں میں اُن کے لئے نشانیں مخصوص ہوں۔

☆ اقلیتی خواتین کو سماجی و معاشری اعتبار سے باختیار اور متخکم بنانے کے لئے سرکاری و غیر سرکاری سطح پر پروگرام منعارف کروائے جائیں۔

☆ فیصلہ سازی کے عمل میں اقلیتی خواتین کی شراکت کے لئے سرکاری اور رسول سوسائٹی کی تنظیمیں نتیجہ خیز اقدامات کریں نیز اُن کے لئے گوجہ پروگرام اور اُس کی منصوبہ بندی میں انہیں بطور شاف شامل کیا جائے۔

☆ صحت، تعلیم، دفاع اور دیگر شعبہ ہائے زندگی میں اقلیتی خواتین کی خدمات کا سرکاری سطح پر اعتراف کیا جائے۔

8.4 قانون اور قانونی تحفظ

الف۔ آئین میں امتیاز بالخصوص مذہب کی بنیاد پر تعصبات پرمنی حصوں اور فوجداری قانون، تغیر کے قوانین پر نظر ثانی و ترانیم کی جائیں اور انصاف فراہم کرتے ہوئے بلا تاخیر آئین کو تمام تعصبات سے پاک کیا جائے۔

ب۔ ایک با اختیار ادارہ تشكیل دیا جائے جو پاکستان میں مذہبی اقلیتوں کے عالمی قوانین پر نظر ثانی کر کے انہیں انسانی حقوق کے معیارات کے مطابق بنائے

نیز ان پر اکثریتی برادری کے قوانین کے غالب اثر کو ختم کیا جائے۔

ج۔ انسانی حقوق کے تقاضوں پر عمل کرتے ہوئے ہندو، مسکھ اور کیلاش برادریوں کے لئے عالمی قوانین وضع کئے جائیں جن میں ان کے نکاح کی رجسٹریشن اور دیگر مسائل کو حل کیا جائے۔

د۔ خاندان کے ادارے کو مضبوط بنانے کے لئے بے صاب طبیوں کی روک تھام کی جائے، بنادھب تبدیل کئے نکاح کو فعال اور قابل عمل بنانے کے لئے ایک مشترکہ سول قانون بنایا جائے جو بین المذاہب (مخلوط) اور دیگر نکاح اور طلاق کے لئے قابل عمل بنیاد فراہم کرے۔

ر۔ ماتحت عدلیہ اور وکلا کے لئے اقلیتوں کے عالمی قوانین کے بارے سرکاری سطح پر آگہی مہم کا آغاز کیا جائے۔ پولیس کے تربیتی نصاب میں اقلیتوں کے مسائل کو شامل کیا جائے تاکہ انہیں ان قوانین کی آڑ میں اقلیتوں کے ساتھ ہونے والی نا انصافیوں اور مدارک کا بخوبی علم ہو۔

ز۔ اقلیتی خواتین کی عزت نفس کی بحاجی، اعتماد اور سماجی شعور بلند کرنے کے لئے حکومت اور رسول سوسائٹی آگہی مہم کا آغاز کریں۔

8.5- تعلیم

الف۔ اقلیتی خواتین کی خواندگی کی شرح میں اضافہ کے لئے سرکاری و غیر سرکاری تطبیقی میں خصوصی تعلیمی پروگرام شروع کریں۔

ب۔ سکول، کالج اور یونیورسٹیوں کے نصاب پر نظر ثانی کر کے اُسے تعصبات سے پاک کیا جائے۔ نصاب میں امن، اور ہم آہنگی پر توجہ مرکوز رکھتے ہوئے تمام افراد اور مذاہب کے احترام اور برداشت پر توجہ دی جائے۔ اگر مذہبی تعلیم ناگزیر ہے تو اسے مذہبی تعلیم کے مضمون میں پڑھایا جائے اور دیگر مذاہب کے بچوں کے لئے اخلاقیات کی بجائے ان کے متعلقہ مذہب کی تعلیم دینے کا بندوبست کیا جائے۔

ج۔ مذہبی تعصب کو فروغ دینے اور اُس کی حوصلہ افزائی کرنے والے تعلیمی اداروں، اساتذہ اور طلباء کے خلاف سخت تادبی کارروائی کی جائے۔ تعلیمی اداروں میں فعال اور متحرک کمیٹیاں ہوں جن کے سامنے مذہبی تعصب کے واقعات کو لاپا جائے تاکہ وہ انصاف فراہم کریں۔

د۔ میراث کے اصول پر کاربندر ہتھی ہوئے اعلیٰ تعلیمی اور پیشہ وارانہ اداروں میں مذہبی اقلیتوں کے لئے نشستیں مخصوص کی جائیں۔

8.6۔ معاشری اروزگار کے موقع

الف۔ اقلیتی خواتین کے لئے روزگار کے مساوی موقع دیئے جائیں اور ملازمت فراہم کرنے والے تمام اداروں میں حکومت پاکستان کی طرف سے مقرر کردہ 5% کوڑہ دینے کو تینی بنایا جائے۔ ایک انصباطی ادارہ تشکیل دیا جائے جو کوئی سکیم کے تحت روزگار فراہم کرنے کے عمل کی نگرانی کرے۔

ب۔ اقلیتی خواتین کی معاشری حالت کو بہتر بنانے کے لئے سرکاری اور غیر سرکاری تنظیمیں روزگار، چھوٹے کاروبار کے لئے زمین شرائط پر قرضوں کے علاوہ ان کی پیشہ وارانہ الیکٹریٹ کو بڑھانے کے لئے خصوصی پروگرام شروع کریں۔

8.7- مقام کار

☆ اقیقی خواتین معاشرے کے کمزور طبقہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ مقامات کا پرپران کا استھان ہونے کے احتمال کے خلاف تحفظ کے اقدامات کئے جائیں۔ جسی ہر انسانی ایکٹ 2010ء پر عمل درآمد اور اس کے بارے خواتین کو آگئی دی جائے۔

8.8- صحت

الف۔ خواتین کو ان کے تولیدی حق کے بارے آگئی دی جائے۔ علاوہ ازیں دور دراز کے پس ماندہ علاقہ جات میں اقیقی خواتین کی صحت کی سہولیات فراہم کی جائیں۔

ب۔ اقیقی خواتین کے لئے بالخصوص دوران حمل تربیت یافتہ لیڈری ڈاکٹرز اور ہمیلتھ و کرز تک رسائی اور بروقت طبی امداد کو یقینی بنایا جائے۔

8.9- صنفی آگئی کے پروگرام

الف۔ گھر، مقام کا اور زندگی کے دیگر شعبہ ہائے زندگی میں صنفی امتیاز کی روک تھام کے لئے (بالخصوص اقیقی خواتین کے لئے) صنفی آگئی کے پروگرام شروع کئے جائیں۔

ب۔ حکومت اور رسول سوسائٹی کی تنظیمیں سماجی شعور کی بیداری، انسانی احترام اور اقیقی خواتین اور والدین میں خود اعتمادی پیدا کرنے کے لئے صنفی آگئی پر منی مہم جیسے پروگرام شروع کریں۔ یہ کام وسیع بنیاد پر کیا جائے اور اس کے اہداف مقرر کئے جائیں۔

8.10- پُر امن معاشرے کا قیام

الف۔ مقامی آبادیوں میں امتیاز و تھسب کو ختم کرنے کی غرض سے سرکاری و پرائیویٹ مقامات کا را تعلیمی اداروں میں امن کے قیام و فروع / نیز تازعات کے حل پر آگئی دی جائے۔

ب۔ موجودہ قانون پر عمل درآمد کرتے ہوئے نفرت انگیز گفتگو کی سختی سے حوصلہ لشکنی کی جائے۔

ضمیمه: 1

ضمیمه جات

اقلیت کیا ہے؟

اس اصطلاح کے معنی کا تعین کئے بغیر دستور پاکستان کی دفعہ 36 میں "اقلیتوں کا تحفظ" کا ذکر ہے۔ تاہم دفعہ (b) (30) 260 میں مسلم اور غیر مسلم (جن کو پاکستان میں عموماً اقلیت کہا جاتا ہے) کی تعریف کی گئی ہے۔

مختلف لغات میں "اقلیت" کی اصطلاح کی بالعموم یوں تعریف یوں کی گئی ہے۔

1- چھوٹا، تعداد میں کم، کل کے نصف سے کم

2- کوئی گروہ، پارٹی یا اکثریت سے کم تعداد میں ووٹ رکھنے والا گروہ

3- کوئی نسلی، مذہبی، اسلامی یا سیاسی گروہ جو معاشرے یا قوم کو کنٹرول کرنے والے گروہ سے مختلف اور چھوٹا ہو۔

4- سن بلوغت تک نہ پہنچے والے گروہ کو یعنی minor کہا جاتا ہے

www.youdictionary.com 07-02-11

ڈاکٹر جان۔ ایم شپرڈ Dr. Jon M. Shepard انسانی بقاء کے لیے سماجی اور معاشرتی تعلقات کی اہمیت کے بارے یوں بیان کرتے ہیں۔

(Sociology 10 Edition WadsWorth Cengage Learning-USA.2010)

کسی معاشرے میں ہم آہنگی اور تجھیتی کے فروع کا انحصار سماجی تعلقات کی گہرائی پر ہوتا ہے۔ سماجی تعلقات کی تشکیل، ان تعلقات کی پاسداری اور افادیت انسانوں کی بقاء کے لئے ایک ضرورت ہے۔ چنانچہ معاشرہ اکثریت یا اقلیت کے افراد کو مساوات اور انصاف کی بنیاد پر صحت مندرجہ قائم کرنے کی گنجائش مہیا کرنے کا ذمہ دار ہے۔

'شپرڈ' اقلیت کی اصطلاح کو بیان کرنے کے لئے ایک اور سماجی پہلو سے ڈائیس ورٹھ (Louis Wirth) کا حوالہ دیتا ہے جس نے اقلیت کی تعریف یوں کی ہے۔

افراد کا گروہ جو اپنے طبعی اور ثقافتی خواص کے باعث دیگر افراد سے جدا ہو، جہاں ان کے ساتھ مختلف اور غیر مساوی برناو کیا جاتا ہو اور جس کے باعث وہ خود کو مجموعی امتیاز کا شکار پائے جائیں۔

کسی معاشرے میں اقلیت کا وجود ہاں پر ایک برتر سماجی حیثیت اور مراعات یافتہ غالب گروہ کی موجودگی کی علامت ہے۔ اقلیت وسیع تر معاشرے میں پورے طور پر شریک ہونے سے قاصر ہتی ہے۔ (Sociology p-240)

"شپرڈ" معاشرے کے ڈھانچے کی مختلف پرتوں (تہوں) میں موجود اقلیتوں کی حیثیت کے بارے بیان کرتے ہوئے مزید یوں بیان کرتا ہے۔

تقریباً ہر معاشرے میں "مخصوص اشیاء، خدمات اور مراعات" ہوتی ہیں۔ بدقتی سے غالب اکثریتی گروہ غیر مساوی طریقے سے ان وسائل سے مستفید ہوتا ہے۔ جبکہ "اقلیت" کے افراد ان وسائل تک دسترس نہیں رکھتے۔ یہ بہتر ملازمت کے موقع، تعلیم اور دیگر معاملات کی بنیاد پر امتیاز کی صورت ہو سکتا ہے۔

چنانچہ معاشرہ اور ریاست اگر ان امتیازات پر مبنی روحانات کو ختم کرنے کے لیے بروقت اقدامات نہیں کریں تو وقت گزرنے کے ساتھ اکثریتی برادری اقلیت کے

ساتھ غیر مساوی سلوک کو حق بجانب سمجھنے لگتی ہے۔ جس کے باعث یہ نقطہ نظر اکثریتی برادری کے نظریہ حیات کا حصہ بن جاتا ہے۔ دوسری طرف اس اخراج کے باعث اقلیتوں میں ایک مشترکہ شناخت کا احساس جاگزیں ہونا شروع ہو جاتا ہے جس کا اظہار اقلیتیں ”ہم“ (اقلیت) اور ”وہ“ (اکثریت) کی صورت کے طور پر کرتی ہیں۔ اس کے باعث متعلقہ گروہوں کے مابین ان کی ”وابستگی اور وفاداری“ مضبوط ہوتی ہے (صفحہ 241)۔

مذہبی اقلیت کی تعریف

ریاست / ملک یا علاقہ میں آبادی کی اقلیتی برادری کا مذہب اقلیتی مذہب کہلاتا ہے ۔

ضمیمه: 2

سید امدادہ پر اک نظر

اس کنوشن کے تحت ”عورتوں سے امتیازی سلوک“ سے مراد ہر وہ تخصیص، استثنایاً پابندی ہے جو محض صنف کی بنیاد پر عائد کی جائے اور جس کے نتیجہ میں شادی شدہ یا غیر شادی شدہ عورتوں اور مردوں کے مساوی سیاسی، معاشی، سماجی، ثقافتی، شہری یاد گیر انسانی حقوق اور بنیادی آزادیاں کسی درجہ یا کسی طور متاثر ہوں۔

دیکھنا یہ ہے کہ تعلیم، صحت، دیگر سماجی خدمات کے شعبہ جات اور انسانی حقوق اور بنیادی آزادیوں کے ضمن میں مذہبی اقلیتی خواتین کے ساتھ ان کے مذہب اور لپچر کی بنیاد پر امتیاز بر تاجار ہا ہے۔ سید اکنوشن کی 1 تا 16 دفعات کا اطلاق ایک یادوسری صورت میں محض اکثریتی خواتین پر ہی نہیں ہوتا بلکہ یہ دفعات اقلیتی خواتین پر بھی کیساں لا گو ہیں۔ چند دفعات پیش خدمت ہیں۔

دفعہ 2

(b) عورتوں کے ساتھ امتیازی سلوک کے خلاف تادبی قوانین وضع کرنا جن میں ضرورت پڑنے پر بندشیں عائد کرنا بھی شامل ہو گا۔

(e) کسی بھی ادارے، شخص یا تنظیم کی طرف سے عورتوں سے امتیازی سلوک روا رکھنے کی روک تھام کے لئے ضروری اقدامات کرنا۔

دفعہ 6

فریق ممالک قانون سازی سمیت ایسے تمام اقدامات کریں گے جن سے عورتوں کی خرید و فروخت اور ان کا جنسی استعمال ختم کیا جائے۔

دفعہ 7

(b) حکومت کی پالیسی سازی میں اور پالیسیوں کو تکمیل دینے (عمل درآمد کے عمل میں) میں شرکت، سرکاری عہدوں کا حصول اور ہر سطح پر سرکاری ذمہ داریوں میں شامل ہونے کا حق۔

دفعہ 10

فریق ممالک تعلیم کے میدان میں اس امر کو یقینی بنائیں گے کہ مرد عورت کو برابر حقوق حاصل ہوں۔ خصوصاً یہ کہ عورتوں کو برابری کی بنیاد پر مندرجہ ذیل سہولیات میسر ہوں:

(a) پیشہ وار انہ تربیت اور کیری میں ہر سطح کی تعلیمی اسناد حاصل کرنے میں اور ہر قسم کے تعلیمی یا تربیتی ادارے میں داخلے کے لئے شہروں اور دیہاتوں دونوں جگہ برابر کی رسائی حاصل ہو۔

(d) وظیفہ اور امداد حاصل کرنے کے برابر کے موقع حاصل ہوں۔

دفعہ 11

اس آرٹیکل میں روزگار، پیشے کے آزادانہ چنانا، روزگار کے تحفظ، ترقی حاصل کرنے، مراعات، شراکٹ ملازمت، حاملہ ہونے کی صورت میں ملازمت سے برخاست نہ کرنے کے حق کے بارے بیان ہے۔

دفعہ 12

فریق ممالک صحت کے سلسلہ میں عورتوں سے امتیازی سلوک کو ختم کرنے کے لئے تمام ضروری اقدامات کریں گے تا کہ اس بات کی خصانت دی جاسکے کہ مرد عورت

دونوں کو صحت کی تمام سہولتوں شمول خاندانی منصوبہ بندی سے متعلق سہولت تک برابر سائی ہے۔

دفعہ 15

اس آرٹیکل میں جائزیاد کے معاملہ میں مساوی حق کا بیان ہے۔

(3) فریق ممالک اس بات پر متفق ہیں کہ ایسے تمام راضی نامے (کنٹریکٹ) یادگیر قسم کی بھی دستاویز جن کی کوئی قانونی حیثیت ہو اگر وہ کسی طرح عورتوں کی قانونی حیثیت کو محدود کرتے ہوں تو وہ منسوخ سمجھے جائیں۔

(4) فریق ممالک نقل مکانی، شہریت اور سکونت اختیار کرنے کی آزادی سے متعلق قوانین میں مرد اور عورت کو برابر کے حقوق دیں گے۔

دفعہ 16

(a) نکاح کے ارادہ اور مرخصی میں مساوی حق

(b) نکاح کے دوسرے فریق کے انتخاب کی پوری آزادی اور نکاح کرنے کی رضامندی کا آزادانہ اور مکمل حق۔

(c) بچوں کی پیدائش، اُن کی تعداد، اُن کے درمیان وقفوں کے بارے میں فیصلوں میں برابر کے حقوق۔

(2) کم عمر بچے کی معنگی اور نکاح کی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہوگی اور نکاح کے لئے کم سے کم عمر مقرر کرنے اور نکاح کو سرکاری طور پر جائز کروانے کو لازمی بنانے کے لئے تمام ضروری اقدامات کئے جائیں گے جن میں قانون سازی شامل ہوگی۔

انسانی حقوق کے بین الاقوامی منشور کی 30 دفعات میں بھی انسانوں کی حقوق اور آزادیوں کو تحفظ فراہم کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس میں تمام اقوام اور تمام افراد کے لئے ایک مشترک معیار کے حصول کا بیان ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ قومی و بین الاقوامی جدید رائج ستمال کرتے ہوئے تعلیم اور تربیت کے ذریعے انسانی حقوق اور آزادیوں کے احترام اور تحفظ کے فروع کے لئے ہر فرد اور معاشرے کے ارکان فعل کردار ادا کریں گے۔ تاکہ اُن جغرافیائی حدود میں جہاں وہ قیام پذیر ہوں اور دیگر ممالک کے افراد میں اُن کی موثر عالمی شناخت قائم رہ سکے۔ (پیش لفظ، انسانی حقوق کا عالمی منشور 1948)

سوالنامہ برائے سروے

پاکستان میں مذہبی اقلیتی خواتین کے حقوق اور صورتِ حال کا جائزہ

کوائف جواب دہنده

- 1-نام _____
 2-عمر/تاریخ پیدائش _____
 3-شہر/گاؤں _____
 4-ضلع _____
 5-مذہب _____
 6-برادری/ذات _____
 7-ازدواجی حیثیت _____
 8-تعلیم _____
 9-مادری زبان _____
 10-پیشہ _____
 11-شناختی کارڈ نمبر: _____

1-بچوں کے متعلق معلومات (حیات)

نمبر شار	نام	عمر	جنس	پیشہ	ازدواجی حیثیت	تعلیم	جسمانی صحت	مغذوری پیدائشی/احادیثی
01								
02								
03								
04								
05								
06								
07								
08								
09								
10								
11								
12								

2- بچوں کے متعلق معلومات (وفت شدگان)

نمبر شار	نام	جنس	عمر	ازدواجی حیثیت	پیشہ	تعلیم	بیماری کی نوعیت	وفات کی وجہ	بیماری کی نوعیت	نمبر شار
01										
02										
03										
04										
05										
06										

3- دیگر افرادِ خانہ (زیرِ کفالت)

نمبر شار	نام	جنس	عمر	ازدواجی حیثیت	پیشہ	تعلیم	بسمی	صحت	بیماری کی نوعیت	نمبر شار	جواب دہنده سے رشتہ
01											
02											
03											
04											
05											

درست جوابات کے سامنے نشان (✓) لگائیں۔

4- جائے رہائش کے متعلق معلومات:

- الف- رہائش: 1- گاؤں 2- شہر میں
- ب- گھر کی ساخت: 1- کچا گھر 2- پکا گھر 3- نیم پکا گھر 4- جھوپڑی
- ج- گھر ذاتی ہے یا کرائے کا
- د- اگر کرائے کا ہے تو ماہہ کتنا کرایہ
- س- اس گھر میں فی اوقات کتنے لوگ رہتے ہیں؟
- ش- کمروں کی تعداد:
- م- آپ اس گھر میں کتنے عرصے سے رہ رہی ہیں؟
- (سالوں کی تعداد لکھیں)

5۔ بُشی سہولیات تک رسائی:

الف۔ آپ بیماری کے وقت بُشی مگہداشت کہاں سے حاصل کرتی ہیں:

- 1۔ بُشی دی صحت کے مرکز 2۔ پارکینسونیز 3۔ کلینک 4۔ سرکاری ہسپتال

ب۔ نزدیک ترین ڈپنسری/ہسپتال کتنے فاصلے پر ہے:

- 1۔ ایک کلومیٹر 2۔ دو سے تین کلومیٹر 3۔ چار سے چھ کلومیٹر چھ سے زائد

ج۔ کیا آپ بُشی سہولیات کی فراہمی سے مطمئن ہیں: ہاں نہیں

د۔ آپ عام طور پر کم قدم کے بُشی معانع سے مشورہ کرتی ہیں: 1۔ تربیت یا نہاد اکثر 2۔ ہومیو پیچھے معانع 3۔ لیدی ہیلیٹھ ورکر

4۔ حکیم 5۔ گھر پر علاج

س۔ کیا آپ کے علاقہ میں تربیت یا نہاد لیدی ڈاکٹر موجود ہے: ہاں نہیں

ش۔ کیا آپ ہر چھ ماہ بعد بُشی معائبلہ کرواتی ہیں: ہاں نہیں

ص۔ کیا آپ کو مندرجہ مسائل میں سے کسی کام سامنا ہے۔ (آپ ایک سے زائد پرنشان اگاسکتے ہیں)

- 1۔ شدید سر درد 2۔ بدن درد / تھکاوٹ 3۔ کمزوزن 4۔ موٹاپا 5۔ ڈپریشن/پریشانی

6۔ بلڈ پریشر 7۔ شوگر 8۔ جیپس میں بُندھی

دیگر

ض۔ کیا آپ ڈپریشن کا شکار ہوتی ہیں: 1۔ روزانہ 2۔ ہفتواں 3۔ مہینہوار 4۔ کبھی کبھار 5۔ کبھی نہیں

ط۔ کیا آپ نشہ آور ادویات استعمال کرتی ہیں: ہاں نہیں

ظ۔ اگر ہاں، تو کس قسم کا نشہ: 1۔ ڈپریشن کم کرنے کی ادویات

2۔ نیند کی گولیاں 3۔ شراب نوشی

4۔ دیگر

6۔ حمل: (شادی شدہ مورتوں سے سوال)

الف۔ کیا آپ کو دورانِ حمل مناسب بُشی مگہداشت ملی: ہاں نہیں

اگر نہیں تو دی گئی وجوہات میں سے نشانہ کریں: 1۔ خاندان کی طرف سے پابندی 2۔ وسائل کی کمی 3۔ بُشی سہولت کی عدم دستیابی

4۔ دیگر

ب۔ کیا آپ کو دورانِ رچگی (بچے کی پیدائش کے بعد) مناسب بُشی مگہداشت ملی: ہاں نہیں

ج۔ اگر نہیں تو وجوہات کی نشانہ ہی کیجیے: 1۔ خاندان کی طرف سے پابندی 2۔ وسائل کی کمی 3۔ بُشی سہولت کی عدم دستیابی

د۔ کونسے بُشی ماہرین آپ کی پہنچ میں تھے: 1۔ ڈاکٹر 2۔ دائی 3۔ لیدی ہیلیٹھ ورکر

س۔ آپ نے کب سے بُشی مگہداشت شروع کی؟ 1۔ حمل کے پہلے 3 ماہ 2۔ حمل کے 6 ماہ 3۔ حمل کے آخری 3 ماہ

4۔ بالکل نہیں

ش۔ آپ کی ڈیوری کہاں ہوئی: 1۔ گھر پر 2۔ ہسپتال / کلینک

- ص۔ کیا حمل ورچگی سے متعلق یچیدگیوں کا سامنا کرنا پڑا: ہاں نہیں
 ض۔ اگر ہاں تو کوئی؟ 1۔ استقاطِ حمل 2۔ کمزور بچے کی پیدائش 3۔ دورانِ زچگی یا پیدائش، بچے کی موت
 4۔ کوئی اور وجہ

7۔ پینے کے پانی کی سہولت:

- الف۔ پینے کا پانی کہاں سے لیتے ہیں: 1۔ گھلائی کنوں 2۔ گھلاتا لاب 3۔ نکا 4۔ والٹپلائی 5۔ نہر
 ب۔ کیا ناقص پانی کے سبب صحت کے مسائل کا سامنا کرنا پڑا: 1۔ پیٹ کی بیماریاں 2۔ جلد کی بیماری 3۔ دیگر

8۔ صفائی کی سہولت:

- الف۔ آپ کے گھر میں کس قسم کا بیت الخلاء ہے: 1۔ فاش بیت الخلاء 2۔ ڈھنپا ہوا گڑھا نما بیت الخلاء 3۔ بغیر ڈھنپا ہوا بیت الخلاء
 4۔ عارضی بیت الخلاء 5۔ بیت الخلاء نہیں ہے

9۔ معاشری صورتحال:

- الف۔ گھرانے کی ماہنہ آمدنی: (رقم درج کیجئے)
 ب۔ گھرانے کے ماہنہ اخراجات کتنے ہیں:

الف۔ 2 سے 3 ہزار	ب۔ 4 سے 6 ہزار	ج۔ 7 سے 10 ہزار	د۔ 11 سے 20 ہزار	س۔ 21 سے 25 ہزار یا زائد
------------------	----------------	-----------------	------------------	--------------------------

ج۔ کوئی کاروبار انویسٹمنٹ: ہاں نہیں
 د۔ کیا کبھی حکومت سے مالی معاونت یا وظیفہ ملا: 1۔ کتنا؟ 2۔ کتنی بار (رقم لکھیں)
 س۔ کیا آپ یا گھر کے کسی فرد کے پاس اپنی سواری ہے: 1۔ سائیکل 2۔ موٹرسائیکل 3۔ موٹر گاڑی
 ش۔ کیا آپ کے پاس کوئی بچت/بچتی ہیں: ہاں نہیں
 ص۔ اگر ہاں، تو کتنی: 1۔ ماہانہ 2۔ سالانہ 3۔ گل/مجموعی طور پر
 ض۔ کوئی قرضہ جات: نہیں ہاں
 ط۔ کیا آپ کے خاندان نے کوئی قرض لیا: نہیں ہاں
 ظ۔ اگر ہاں، تو رقم:
 ع۔ قرض کہاں سے لیا: 1۔ آجر 2۔ بینک 3۔ تنظیم
 غ۔ کیا آپ نے قرضہ واپس کیا: ہاں نہیں
 ف۔ قرض واپس نہ ہونے پر کن مناج کا سامنا کرنا پڑا:

10- سفر کے دوران مسائل:

الف۔ کیا آپ اکیلے سفر کرتی ہیں: ہاں نہیں

ب۔ اگر نہیں، تو کیوں؟

ج۔ اکیلے سفر کرنے محفوظ خیال کرتی ہیں: ہاں نہیں

د۔ اگر نہیں، تو کیوں؟

س۔ کیا آپ اپنے علاقے میں سفر کر سکتی ہیں: 1۔ اکیلے 2۔ مردابل خانہ کے ساتھ

ش۔ کیا آپ سودا سلف لانے بازار جاتی ہیں: 1۔ روزانہ 2۔ ہفتہ وار 3۔ مہینہ وار 4۔ کبھی کبھار 5۔ کبھی نہیں

ص۔ آپ دوسرے شہر کا سفر عام طور پر کیسے کرتی ہیں: 1۔ اکیلے 2۔ مردابل خانہ کے ساتھ

ض۔ کیا آپ نے کبھی یروں ملک سفر کیا: ہاں نہیں

11- جنسی جرائم: (ہاں ✓ یا نہیں ✗)

الف۔ کیا کبھی آپ کو جائے کار / دوران ملازمت جنسی طور پر چھیڑ چھاڑ کا نشانہ بنایا گیا؟

ب۔ کیا آپ کو کام کرنے کی جگہ پر اقلیتی عورت ہونے کی وجہ سے جنسی چھیڑ چھاڑ کا نشانہ بنایا گیا؟

ج۔ اگر ہاں، تو کس طرح؟ (آپ ایک سے زائد پر نشان لگاسکتے ہیں)

1۔ نازیبا الفاظ 2۔ بُری نظر و سے دیکھنا 3۔ چھیڑ چھاڑ کرنا 4۔ جنسی اشارے کرنا

5۔ جنسی پیش قدمی (بے جا مادا، تھا ف، بخششیں) 6۔ جائے کار پر کام کے بعد آپ کو ساتھ لے جانے کے لئے کہا گیا

7۔ ڈھمکیاں / دباؤ 8۔ نازیبا / تو پین آمیز ناموں سے پکارنا

9۔ ای میلڈر / ایم الیں کے ذریعے گھلیا جنسی لینے بھیجننا 10۔ ورکرز کی ترقی / تجوہ میں اضافے سے انکار

12- مذہبی امتیاز

الف۔ کیا آپ یا خاندان کے فرد کے ساتھ مذہبی امتیاز کا واقعہ پیش آیا: اگر ہاں، کہاں؟ (آپ ایک سے زائد پر نشان لگاسکتے ہیں)

1۔ کام کرنے کی جگہ پر 2۔ آبادی / علاقہ 3۔ مارکیٹ 4۔ ریسٹورنٹ 5۔ تعلیمی ادارے

6۔ سیر و تفریخ کے مقامات 7۔ سرکاری دفاتر 8۔ دیگر مقامات

ب۔ کس نوعیت کا مذہبی امتیاز: (آپ ایک سے زائد پر نشان لگاسکتے ہیں)

1۔ منفی تقيید 2۔ غیر ضروری / اہانت آمیز سوالات 3۔ جنسی دباؤ / ڈھمکیاں 4۔ اکٹھے کھانا کھانے سے انکار

5۔ مذہبی تھوار منانے کے لئے چھٹیوں سے انکار 6۔ مذہبی تھواروں پر چھٹیوں کی بجائے کام لینا

7۔ مذہبی عقائد پر بحث مباحثہ کے لئے اکسانا 8۔ اجرت میں کسی

9۔ الاؤنس ندیبا 10۔ ترقی دینے سے انکار 11۔ ملازمت سے برخاستگی

12۔ معمول سے ہٹ کر تبادلہ

13- دیگر

س۔ کیا آپ شکایت کی صورت میں مندرجہ ذیل اداروں، عدالتوں اس رکاری محاسبہ کے پاس گئے:

1۔ کمیٹی کے پاس 2۔ عدالت 3۔ پنجابیت

ش۔ اگر نہیں، تو کیوں؟

ص۔ کیا آپ کو کبھی پولیس یا انتظامیہ سے واسطہ پڑا: ہاں نہیں

ض۔ اگر ہاں، تو مندرجہ ذیل کے متعلق اپنی رائے دیں۔

پولیس کا اخلاق: 1۔ مایوس گن 2۔ شاکستہ 3۔ قابل تبول 4۔ اچھا

ط۔ عدالتی ماحول کیسا تھا: 1۔ غیر تسلی بخش 2۔ یک طرفہ 3۔ ہمدردانہ

ظ۔ کیا آپ اپنے علاقے میں لڑکی یا عورت کے انواع کے کسی واقعہ کے بارے میں جانتی ہیں؟ اگر ہاں تو نام بتائیں۔

ع۔ کیا آپ اپنے علاقہ میں زبردستی تبدیلی نہ ہب کے کسی واقعہ کے متعلق جانتی ہیں؟ اگر ہاں تو نام وغیرہ بتائیں۔

غ۔ کیا آپ اندر ورن یا یونیورسٹی میں امتیازات کی خرید و فروخت کے کسی واقعہ کے بارے میں جانتی ہیں؟

ف۔ اگر ہاں، تو کوائف بتائیں۔

13۔ تعلیمی اداروں میں امتیاز کا سامنا:

الف۔ کیا سکول / کالج / یونیورسٹی میں داخلہ لیتے ہوئے مذہب رکاوٹ کا باعث بتا ہے: ہاں نہیں

ب۔ کیا آپ اور آپ کے خاندان کے بچے اسلامیات اور عربی بطور لازمی ضمنوں پر ہستے ہیں: ہاں نہیں

ج۔ کیا آپ کو اپنے ہم جماعتوں کی طرف سے امتیازات کا سامنا کرنا پڑتا ہے: ہاں نہیں

د۔ اگر ہاں، تو کس نوعیت کا:

1۔ حقوق امیز رویہ 2۔ اکٹھے کھیلنے / کھانا کھانے سے انکار 3۔ بے جا تقدیم 4۔ ریماکس پاس کرنا

س۔ کیا آپ نے اور بیان کئے گئے رویوں کو اپنے اساتذہ سے بیان کیا: ہاں نہیں

ش۔ اگر نہیں، تو کیوں؟

ص۔ اگر ہاں، تو کیا آپ کے اساتذہ نے ایسے رویوں کی نمائت کی: ہاں نہیں

ض۔ کیا آپ کو کبھی اپنے اساتذہ کی طرف سے مذہبی امتیازات / تعصبات کا سامنا کرنا پڑا: ہاں نہیں

ط۔ اگر ہاں تو کس نوعیت کا؟

1۔ تعصباً نہ تقریر 2۔ اقلیت طالب علموں کو نظر انداز کرنا 3۔ اقلیت طالب علموں کی حوصلہ شکنی کرنا

ظ۔ مذہب تبدیل کرنے کی تجویز دی گئی: ہاں نہیں

ع۔ دیگر

غ۔ کیا تمام مذاہب/اذات کے طالب علموں کو جل کر رہنے کے لئے کہا گیا: ہاں نہیں

14۔ پڑوسیوں کی طرف سے امتیاز کا سامنا:

الف۔ کیا آپ کے پڑوسی (اکثریت کیونٹ سے) آپ کے گھر آتے ہیں: 1۔ روزانہ 2۔ ہفتہ وار 3۔ مہینہ وار

4۔ تہوار اور تقریب 5۔ کبھی نہیں

ب۔ مذہبی شاخت پر اکثریت کیونٹ کی طرف سے عام طور پر کیسا رُول ہوتا ہے؟

انتخاب	عمل	عمل	شماستگی سے انکار
کرامے کام کان لیتے ہوئے	صلح جو	دورانی قیام پابندیاں	نہیں
مذہبی رشناکات کا استعمال	قویلیت کا اظہار	ناخوشی کا اظہار / حقیر جانا	نہیں
مذہبی نام	قویلیت کا اظہار	ناخوشی کا اظہار / حقیر جانا	نہیں
تصورِ حیات	قویلیت کا اظہار	ناخوشی کا اظہار / حقیر جانا	نہیں
مذہبی رسومات / دستور	قویلیت کا اظہار	ناخوشی کا اظہار / حقیر جانا	نہیں
چاہب نہ پہننا / پردہ نہ کرنا	قویلیت کا اظہار	ناخوشی کا اظہار / حقیر جانا	نہیں
عبادت / روزہ کا طریقہ کار	قویلیت کا اظہار	ناخوشی کا اظہار / حقیر جانا	نہیں

15۔ عورتوں کی خود اختاری:

الف۔ کیا آپ کو گھر میں بھائیوں کے برابر سمجھا جاتا ہے: ہاں نہیں

ب۔ کیا گھر میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے آپ کی حوصلہ فراہمی کی جاتی ہے: ہاں نہیں

ج۔ اگر نہیں، تو کیوں؟

د۔ کیا آپ کو گھر والوں کی طرف سے کام کرنے میں رکاوٹ کا سامنا ہوتا ہے: ہاں نہیں

س۔ آپ کو پسند کی شادی کی اجازت ہے / تھی: ہاں نہیں

ش۔ شادی کے لئے ساتھی کے انتخاب میں آپ اپنی رائے کا اظہار کر سکتی ہیں / تھی: ہاں نہیں

ص۔ کیا آپ کو گھر میں فیصلہ سازی میں شامل کیا جاتا ہے: ہاں نہیں

ض۔ کس نوعیت کے فیصلوں میں آپ کو آزادی حاصل ہے؟

1۔ تعلیمی اداروں کے انتخاب میں 2۔ کیریئر کے انتخاب میں 3۔ خاندان کے تصرف اخراجات

4۔ دیگر

16۔ سیاسی شمولیت:

الف۔ کیا آپ کے پاس کمپوٹر انرڈنٹ شناختی کارڈ ہے: ہاں نہیں

ب۔ کیا آپ رجسٹرڈ ووٹر ہیں: ہاں نہیں

ج۔ کیا آپ نے ووٹ استعمال کیا ہے: ہاں نہیں
د۔ کتنی دفعہ؟

س۔ کیا آپ کو کسی جماعت کی طرف سے خاص نمائندے کو ووٹ ڈالنے کے لئے مجبور کیا گیا: ہاں نہیں

ش۔ کیا آپ کسی مندرجہ ذیل میں شامل ہوئے:

1۔ عوامی اجتماع 2۔ احتجاج 3۔ سیاسی جلوس

ص۔ کیا آپ سیاسی جماعت کے رکن ہیں: ہاں نہیں

ض۔ اگر ہاں، تو کس حیثیت سے؟ 1۔ رکن 2۔ وفتری خدمتگار 3۔ نمائندہ

ط۔ کیا آپ پارٹی فیصلہ سازی میں شریک کرتی ہے: ہاں نہیں

ظ۔ آپ کی سیاست کے بارے میں کیا رائے ہے:

17۔ مستقبل کی امیدیں:

الف۔ کام کی جگہ پر، ہم جماعت طلباء میں اکثریت کمیونٹی کے لوگوں میں سے ایسے ہیں اتنے جو آپ کے ساتھ غیر تعصباً نہ رویے سے پیش آئے:

ہاں نہیں

ب۔ آپ کے ساتھ ان کا رویہ کیسا ہے؟ بیان کریں۔

1۔ معاون 2۔ دوستانہ 3۔ ضرورت کے وقت مددگار

ج۔ کیا آپ خیال کرتے ہیں کہ مذہبی بھگڑے کی صورت میں وہ آپ کا ساتھ دیں اتحاظ کریں گے: ہاں نہیں

د۔ اگر ہاں، تو کیسے؟

س۔ اگر نہیں، تو کیوں؟

ش۔ کیا ملک میں بطور اقلیتی خاتون آپ دوسری اقیتی عورتوں کی سماجی، معاشی، سیاسی، ثقافتی اور مذہبی صورت حال کو بہتر بنانے میں شریک ہو سکتی ہیں:

ہاں نہیں

ص۔ اگر ہاں، تو کیسے؟

ض۔ اگر نہیں، تو کیوں؟

سروے کرنے والے کا نام: _____ تاریخ: _____
دستخط: _____

4: ضمیمه:

نسلی گروہ اذات					
نی صد	جوابات	نی صد	جوابات	نی صد	جوابات
0.80%	اٹھوال	1.70%	کوہلی	16.20%	میگوار
0.70%	ہریگن	1.60%	کاٹھیاواری	8.50%	بھٹی
0.60%	خان	1.50%	سنڌو	6.80%	سہوترا
0.60%	جٹ	1.40%	پرکاری	4.20%	بالمیک
0.60%	لوہار	1.40%	راجپوت	3.70%	اووڑ
0.60%	مغل	1.30%	پاگڑی	3.40%	بھیل
0.50%	چیدے	1.00%	کچھی	3.20%	کھوکھر
0.50%	گون	0.90%	مدرسی	3.00%	گجراتی
22.30%	دیگر	0.90%	چوہان	2.80%	چوہدری
		0.90%	موچی	1.90%	غوری
		0.80%	بورات	1.90%	مٹو

مادری زبان					
نی صد	جوابات	نی صد	جوابات	نی صد	جوابات
0.40%	تال	1.70%	کوئکانی گون	48.90%	پنجابی
0.20%	بھٹوواڑی	1.50%	کاٹھیاواری	11.40%	سنڌی
0.20%	کچھی	1.10%	ہندی	11.20%	مارواری
0.20%	اوڑ	0.60%	پارکری	7.80%	اردو
0.20%	بھٹوواڑی	0.50%	داوھی	6.40%	ڈھنکی
1.10%	دیگر	0.50%	مدرسی	5.50%	گجراتی

پیشہ					
نی صد	جوبابت	نی صد	جوبابت	نی صد	جوبابت
۵۰۴.۰	بس کی میزبان	3.30%	بیویشن	23.80%	گھر پیلو خواتین
0.30%	پولیس	3.00%	گھر پیلو صنعت سے وابستہ	10.10%	استاد (ٹیچر)
0.30%	وکیل	2.70%	فیکٹری مزدور	9.10%	نرس
0.30%	درزن	1.60%	سرکاری ملازم	7.80%	گھر پیلو ملازم
0.20%	ماہر نسیات	1.60%	سماجی کارکن	7.20%	خاکروب
0.20%	سیکس ورکر	1.50%	سلزو و من	5.40%	مزدور
1.60%	دیگر	1.10%	چپڑاں	4.40%	دفتری ملازم
		0.70%	سیاسی کارکن	3.90%	طالب علم
		0.40%	نشیاط فروش (قیدی)	3.90%	زراعت

زیرِ کفالت افراد کا جواب دہنده خواتین سے رشتہ					
نی صد	جوبابت	نی صد	جوبابت	نی صد	جوبابت
2.04%	پوتی	5.09%	بھائی	12.47%	ساس
2.04%	بھتیجے	4.83%	بیٹی	10.43%	سُسر
1.78%	دادی/اننی	4.07%	نند	8.40%	بیٹا
1.27%	دادا/انا	3.82%	بہن	7.63%	ماں
4.33%	دیگر	3.31%	باپ	5.60%	خاوند
		2.54%	بہنو	5.34%	دیور/بھتیجہ

اجازت مل سکے گی؟

نزار توفیق قبانی کی عربی نظم کا تخلیقی ترجمہ: حارث خلیق

اگر وہ میری بیٹی کی طرح
پیاری اسی اور اچھی سی بچی ہے
تو بیٹی اُس کو اپنے ساتھ جنت میں ہی پائے گی

اجازت مل سکے گی تو عملِ الاعلان یہ کہ دوں
پیغمبر، ہادی و سرور
حضور پاک ﷺ پر یہ سلسلہ موقوف ہوتا ہے

یہ اہل وجہ و خرقہ
خدائے عز و جل کے نام سے فرمان جاری کرنیں سکتے
یہ لوگوں کے دلوں پر خوف طاری کرنیں سکتے

اجازت مل سکے گی تو عرض کر دوں میں
خدا نے خود کہا ہے جس نے ایک انسان کو مارا
یہ سمجھاؤں نے سب انسانیت کو مارڈا ہے
کلام اللہ کا حکم حوالہ ہے
مسلمان کا مسلمان کوڑا نا اور دھرم کا نہ
نبی سے اور نبی کی آل سے منکر ہے ہو جانا
مسلمان ہونہ ہوا ناس ہو جو بھی
سمجھ لو جون ناحن فتنہ ایماں ہے
یہ تذلیل ہی آدم ہے اور تکیں جیوال ہے

اجازت مل سکے گی

اجازت مل سکے گی
پیاری بیٹی کو میں پہلے رکھ رکھا

اپنی تہذیب و تمدن سے کامل آشنا کر دوں
یہ ہتر ہے کہ وہ انسانیت کے دل میں بساۓ
پھر جو خود چاہے تو اپنا سرڈھکے، زینت چھپائے

اجازت مل سکے گی اپنے بیٹے کو یہ سمجھاؤں
تعصی بر بناۓ رنگِ نسل و جنس و مذہب
آدمی کو اپنے رب سے دُور کرتا ہے
کسی کو دُکھ نہ دے اور معاف بھی کر دے
کہ بُس احسان ہی انسان کو پُر نور کرتا ہے

اجازت مل سکے گی اپنی بیٹی کو بتا پاؤں
کہ بُس آیات کو یاں منہ زبانی یا دکر لینا نہیں کافی
جو وہ اسکول میں پڑھتی ہے وہ سب کچھ ضروری ہے
حصول علم سے اس دین کو اک خاص نسبت ہے
سمجھ کر پڑھنے والوں سے خدا کی خاص قربت ہے

اجازت مل سکے گی اپنے بیٹے سے یہ کہ پاؤں
کہ دنیا میں بُس اور وضع، قطع، ثانوی ہیں سب
حضور پاک ﷺ نے جو راہ رکھائی ہے

اگر اس پر چلو تو شرط اول ہی
دیانت اور وفا سے آشنا ہے

اجازت مل سکے گی

اپنی بیٹی کو دلا سادوں کے وہ بے فکر ہو جائے
ندروئے سوچ کر

اُس کی پیاری سی سیلی جو سیجی ہے
وہ کافر ہے، وہ ہر حالت میں دوزخ میں ہی جائے گی

جہاں سب سوچنے اور لکھنے والوں کا مقرر
ارض مقتل ہے

جہاں اب قید ہیں

اور بُجہ و خرقہ نے تازہ لفظ پر پھرے بھائے ہیں

جہاں کچھ پوچھ لینالائق تعریر ٹھہرا ہے

وہاں مجھ کو

اجازت مل سکے گی

اجازت مل سکے گی اپنے بچوں کو

میں پاؤں جس طرح سے پالنا چاہوں
بتا پاؤں کہ مذہب فرد اور اُس کے خدا کے

باہمی رشتے کو کہتے ہیں

کوئی بھی تیراً عالم، مبلغ، درمیاں آہی نہیں سکتا

اجازت مل سکے گی اپنے بچوں کو

میں پہلے یہ بتا پاؤں کہ مذہب نام ہے
اخلاق کا، سچائی کا، ایمانداری کا

پھر اس کے بعد جی چاہے تو سوچیں
مستحب کیا ہے

وضو کیسے کریں، کیسے نہایتیں
وہ داہنے ہاتھ سے لتمہ بنا کیں

اجازت مل سکے گی اپنی بیٹی پر یہ واکردوں
خدائے عز و جل کو پیار ہے اُس سے

وہ جب چاہے، جہاں چاہے دعا مانگے
خدائے علم و حکمت اور جزا مانگے

بس اسی کی ہی رضا منگے

اجازت مل سکے گی اپنے بچوں کو

بڑے جب تک نہ ہو جائیں

عذاب قمر سے ہر گز ڈراویں میں نہیں تبتک
کہ بچے موت سے پوری طرح واقف نہیں اب تک

حوالہ جات

- 1 پاکستان انٹرنیشنل ریجسٹریشن فریڈم رپورٹ

2010-2009-2006.(www.uscrif.org) –(Pakistan International Religious Freedom Report)

- 2 جان ایکم شپرڈ سوشاپ لوگی۔ (10 وال ایڈیشن)۔ واڈز ورکھ۔ (Cengage Learning. USA 2010)

- 3 یونیکسکول گلوبل مانیٹر نگ رپورٹ 2009

- 4 پاکستان اکنامک سروے رپورٹ 2009-2010

- 5 انسانی حقوق کی صورت حال پر 2009 اور گذشتہ سالوں کی رپورٹ (HRCP)

- 6 جائزہ انسانی حقوق کی رپورٹ

- 7 تحفظ نسوان ایکٹ 2006

- 8 قانون طلاق 1869 (Divorce Act 1869)

- 9 جائزہ انسانی حقوق لاہور (قومی کمیشن برائے امن و انصاف)

- 10 قومی کمیشن برائے امن و انصاف کی فیکٹ فائزٹ نگ رپورٹ

- 11 دی کر سچن وائس۔ کراچی 22 جنوری 2005

- 12 روزنامہ ڈان 3 دسمبر

- 13 روزنامہ ڈیلی ٹائمز 17 دسمبر 2005

- 14 روزنامہ پاکستان 26 مئی 2006

- 15 اسلامی جمہوریہ پاکستان کا دستور جسٹس محمد منیر

- 16 پی ایل ڈی پبلیشر۔ لاہور، 1999

http://www.pakistan.org/pakistan/legislation/constituent_addresses_11aug1947.html(according to 23-06-2011) - 17

- 18 دی میجر ایکٹس (The Major Acts)۔ مصنف: ایڈوکیٹ میاں عبدالغفور۔ خیر لابلشیر۔ لاہور 1999

- 19 قانون طلاق 1869 پاکستان میں عالمی قوانین کا کتابچہ، مصنف: ایڈوکیٹ ایس علی عابدی، سول اینڈ کریمنل لائلکیشن۔

لاہور 1996

- 20 قانون وراثت، 1925 (The succession Act 1925) مصنف: ایڈوکیٹ ایس علی عابدی، سول اینڈ کریمنل لائلکیشن۔

لاہور 2006

- 21 انسانی حقوق کی صورت حال پر پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کی 2009 اور گذشتہ سالوں کی دیگر رپورٹیں

<http://www.pakistan.org/pakistan/legislation/2006/wpb.html>(according to 23-06-2011) - 22

http://en.wikipedia.org/wiki/Blasphemy_law_in_Pakistan (according to 23-06-2011) - 23

- 24 اسلامی نظام قانون (Islamic Jurisprudence) مصنف: کمال اے فاروقی، پاکستان پیاشنگ ہاؤس، کراچی 1962

Religious Minority Women "The forgotten victims of a fragmented society" by Juliette Thibaud Website; - 25

قومی کمیشن برائے امن و انصاف

انسانی حقوق اور فلاح کا ادارہ ہے، جو کا تھوک بیشپس کانفرنس آف پاکستان کی نگرانی میں 1985ء سے کام کر رہا ہے۔ کمیشن کی سرگرمیوں میں انسانی حقوق کے معاملات اور خلاف ورزیوں پر آواز اٹھانا اور انسانی حقوق کی تعلیم کے پروگرام کا انعقاد شامل ہے۔
اغراض و مقاصد

- ☆ انسانی حقوق کا تحفظ و فروع نیز انصاف پر بنی پُر امن معاشرے کی تشکیل کے لئے عوام الناس کو ان کے ہمہ وقت کردار کے لئے تیار کرنا۔
- ☆ انسانی حقوق اور امن و انصاف کے متعلق سوالات کا بغور مطالعہ کرنا۔
- ☆ مطالعہ پر بنی مواد کی نشر و اشاعت اور امن و انصاف کے متعلق آگاہی اور شعور بیدار کرنا۔
- ☆ انسانی حقوق کے معاملات پر اپنے عمل کا انتہا رکرنا۔
- ☆ انصاف، امن اور انسانی حقوق کے فروع کے لئے دنیا بھر میں دیگر ہم خیال تنظیموں سے رابطہ اور تعاون کرنا۔

قومی کمیشن برائے امن و انصاف کی دیگر مطبوعات

- ☆ جائزہ انسانی حقوق، پاکستان میں مذہبی اقلیتوں کی صورت حال پر سالانہ رپورٹ (انگریزی / اردو) 1997-2011
- ☆ پنجاب میں کھیت مزدوروں کے حالات کا رپورٹ (انگریزی / اردو) 2002
- ☆ مذہبی آزادی اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی (صحافیوں کے لئے رہنمای کتابچہ) 2005
- ☆ انسانی حقوق کا ارتقا (اردو) 2006
- ☆ انسانی حقوق کا بین الاقوامی نظام (اردو) 2007
- ☆ کٹی نہیں سیاہ رات، سید اشیڈور پورٹ (اردو / انگریزی) 2007
- ☆ پاکستان کا مقدمہ، پاکستان کا عالمی معیادی جائزہ (اردو) 2011
- ☆ سانحہ گوجرہ کے سوتھے جانوں کے نام (اردو / انگریزی) 2009
- ☆ عکس و آئینہ (اردو خبرنامہ)
- ☆ (انگریزی نیوز لیٹر) The Mirror

اے صبحِ وطن جاگ

تیرے نور کی لائی

ہر کھیت کو، ہر صحن کو

ہر چہرے کو بخشے

وہ رنگِ تمنا

جو خزاں لُوث نہ پائے

بیدار ہو۔ دے آج

درو بام سجانے

کجلائی ہوئی صبح سے

نہیں اپنا گزر را

آلام میں لپٹی

شبِ ظلمت کو ہٹادے

اے صبحِ وطن جاگ

پئڑ جیکب